تدبّر

زیرِ نگرانی

مولانا امین احسن اصلاحی

یکے از مطبوعات

ادارہ تدبّرِ قرآن و حدیث

لاہور۔ پاکستان

سلسلہ نمبر ۳۵ | اپریل ۱۹۹۱ء | شوال ۱۴۱۱ھ

تدبّر

فہرست مضامین

تدبر قرآن

عالمی نظام کا امریکی منصوبہ ـــــــ محبوب سبحانی ۲

تدبر قرآن

تفسیر سورۂ اعراف (۵) ـــــــ خالد مسعود ۷

تفسیر سورۂ انفال (۱) ـــــــ خالد مسعود ۱۱

تدبر حدیث

ایمان و اسلام کی بحث ـــــــ امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۱۶

اشیاء کی فروخت کے احکام ـــــــ امین احسن اصلاحی / سعید احمد ۲۴

اسالیب قرآن

اعتراض ـــــــ خالد مسعود ۳۵

مقالات

قرآن کا تصور جنگ ـــــــ خالد مسعود ۴۳

مجلسِ ترتیب

☆———— خالد مسعود (مدیر)

☆———— عبداللہ غلام احمد

☆———— ماجد خاور

☆———— محبوب سبحانی

☆———— سعید احمد

ناشر:———— ادارہ تدبر قرآن وحدیث

رحمان سٹریٹ، مسلم کالونی، سمن آباد، لاہور

مطبع———— المطبعۃ العربیہ لاہور

قیمت -/ ۵ روپے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

محبوب سبحانی

عالمی نظام کا امریکی منصوبہ

امریکہ کے صدر بش نے صدارت کا حلف اٹھانے کے فوراً بعد اپنے عوام کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ اکیسویں صدی میں امریکہ ایک نئے عالمی نظام کے ساتھ داخل ہو گا۔ ابھی تک اس نظام کی تفصیلات صیغہ راز میں ہیں لیکن گزشتہ چند سالوں اور خصوصاً خلیج کی حالیہ جنگ میں جو کچھ ہوا اس سے نئے نظام کے خدوخال واضح ہونے لگے ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ خلیج کی ہولناک جنگ عراق کی جارحیت کے سبب سے بھڑکی لیکن اس میں امریکہ کو کودنا اپنے درپردہ عزائم پورے کرنے کے لئے تھا۔ اسی لئے عراق کی جارحیت کے چھتیس گھنٹوں کے اندر امریکی فوجیں، جن کو کرایہ کی فوجیں ہرگز نہیں کہا جا سکتا، سعودی عرب میں اتر گئیں اور بیالیس روز میں عراق پر نوے ہزار ٹن بارود برسا کر اس کو معاشی اور فوجی لحاظ سے مفلوج کر کے رکھ دیا۔ اس جنگ کے نتیجہ میں کویت آزاد تو ہو گیا لیکن عراق سے اس آزادی کے عوض عربوں نے امریکہ کی غلامی کا سودا کر لیا۔ کویت کے ۱۸۰ ارب ڈالر اور سعودی عرب کا سرمایہ جو مغربی بنکوں میں جمع تھا اس جنگ کی آگ میں بھسم ہو گیا اور اب یہ ممالک اپنے اثاثے مغربی ممالک کے بینکوں کے پاس گرو رکھ کر قرضے لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ مزید براں امریکہ ان کے سر پر ہمیشہ سوار رہنے کا اعلان بار بار کر چکا ہے۔

اب یہ بات راز نہیں رہی کہ امریکہ نے خلیج کے ممالک کو جھانسہ دے کر اور صدام حسین کو آلہ کار بنا کر یہ جنگ مسلط کی تھی اور یہ اس کے نئے عالمی نظام کی راہ ہموار کرنے کے لئے ناگزیر تھی۔ مغربی جرائد میں اس جنگ کی پیشگوئیاں عرصہ سے کی جا رہی تھیں۔ اس کے متعلق ایک جامع اور سنسنی خیز رپورٹ امریکی رسالہ ایگزکٹو انٹیلی جنس ریویو میں ۲۰ جولائی ۱۹۹۰ کو شائع ہوئی جس میں مندرجہ ذیل انکشافات کئے گئے۔

☆ عراق کے ساتھ جنگ کے لئے امریکہ اور اسرائیل کے درمیان خفیہ مذاکرات ہو رہے ہیں۔

☆ یہ جنگ آئندہ دو ہفتوں سے ایک ماہ کے اندر شروع کی جائے گی۔

☆ اس جنگ کی حکمت عملی پر امریکہ کے ساتھ روس' برطانیہ اور اسرائیل نے اتفاق کر لیا ہے۔

☆ جنگ کے آغاز کے لئے خلیج میں ایک بحران پیدا کیا جائے گا۔ صدر بش اس کو پرامن طور پر حل کرنے کا اعلان کریں گے لیکن درپردہ جنگ کی منصوبہ بندی کریں گے۔

☆ جنگ میں عراق کی فوجی طاقت تباہ کر دی جائے گی۔ بعد ازاں اس کو شمال اور جنوب کی کشمکش کی شکل دے کر ایک طویل عرصہ تک عربوں کی آبادی کم کرنے کا ذریعہ بنایا جائے گا۔

☆ شمالی عراق میں موصل اور کرکوک کے تیل کے کنویں تباہ کر دیئے جائیں گے۔ کردوں کو برطانیہ اور ترکی کے تعاون سے بغاوت پر ابھارا جائے گا۔

☆ مشرق وسطیٰ میں تحریک آزادی فلسطین کی سیاسی قوت کو ختم کر دیا جائے گا' جنوبی لبنان کی تحریک مزاحمت کو کچل دیا جائے گا۔ فلسطین کے پرامن حل کے نام پر عربوں سے بھاری قیمت وصول کی جائے گی۔ بعد ازاں دریائے اردن کے مغربی کنارے میں فلسطینیوں کا قتل عام کر کے ایک لاکھ باشندوں کو اردن میں پناہ لینے پر مجبور کیا جائے گا۔

☆ اسرائیل ایسے حالات پیدا کرے گا جن سے اس کو اردن پر حملہ کا جواز میسر آجائے۔ ہو سکتا ہے اس مقصد کے لئے کچھ اسرائیلی ایجنٹ اسرائیلی علاقہ میں یہودیوں کی بعض تنصیبات پر حملہ کر دیں۔ اس طرح وہ اپنی حدود کو وسیع کرے گا۔

☆ اگر روس یہودیوں کو مقبوضہ عرب علاقوں میں نقل مکانی کی اجازت دے دے تو اسرائیل اس سے تجارتی و اقتصادی تعاون کرے گا۔

☆ تیل کی قیمتیں بڑھانے کے لئے خصوصی اقدامات کئے جائیں گے تاکہ روس اور برطانیہ کو فائدہ پہنچے۔

امریکی جریدہ کے ان انکشافات میں سے بعض درست ثابت ہو چکے ہیں اور بعض پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ جنگ بندی کے بعد خلیج کی سلامتی کا جو منصوبہ بنایا گیا ہے اس میں اگرچہ آٹھ عرب ممالک شامل ہیں لیکن اس میں کلیدی کردار امریکہ کا ہے۔ امریکہ کا ایک بحری بیڑا مستقل طور پر خلیج میں رہے گا۔ سعودی عرب میں امریکی فضائیہ متعین ہو گی۔ کویت کے جزیرہ بوبیان پر امریکہ کا فوجی اڈہ قائم ہو گا اور وہاں اس کی پچاس ہزار بری فوج مقیم ہو گی۔ امریکہ کی موجودگی کے باعث مشرق وسطیٰ کا کوئی ملک سر اٹھا کر اسرائیل کے لئے خطرہ نہیں بن سکے گا۔

اب تک کے قرائن سے امریکی عالمی نظام کے خدوخال کچھ اس طرح واضح ہوتے ہیں۔

۱۔ خلیج کے تیل کے ذخائر اور اس کی ترسیل کے راستوں پر قبضہ

اس قبضہ کا ایک مقصد تو عربوں کو تیل بطور ہتھیار استعمال کرنے سے روکنا ہے تاکہ ۱۹۷۳ء کی تاریخ نہ دہرائی جا سکے جب شاہ فیصل مرحوم نے اس ہتھیار کو نہایت موثر طور پر استعمال کیا تھا۔

دوسرا مقصد جاپان اور جرمنی (جو خلیج کا سترفی صد تیل استعمال کرتے ہیں) کی اقتصادیات کو نقصان پہنچانا ہے۔ ان دونوں ملکوں کا مال اس وقت امریکی مال کے مقابلہ میں بہت سستا ہے جس کی وجہ سے امریکہ کساد بازاری کا شکار ہو گیا ہے۔ بین الاقوامی منڈی میں جاپان کا سکہ ین اور جرمنی کا سکہ مارک امریکی ڈالر اور برطانوی پاؤنڈ کو زک پہنچا رہے ہیں۔ امریکہ کے بنکوں کے دیوالیہ ہونے کا خطرہ درپیش ہے۔ تیل کے ذخائر پر قبضہ کے بعد امریکہ قیمتوں میں حسب منشا اضافہ کر کے جاپان اور جرمنی کی مصنوعات کو مہنگا کر سکتا ہے جس کا بالواسطہ فائدہ اس کی اپنی صنعت کو ہو گا۔

۲۔ مشرق وسطیٰ میں اسرائیل کی بالادستی۔

عراق کی فوجی و اقتصادی تباہی کے بعد اب اسرائیل کو مشرق وسطیٰ کا تھانیدار بنانے کی راہ میں کوئی چیز حائل نہیں رہی۔ اب عظیم اسرائیل کے منصوبہ پر عمل شروع ہو گا۔ اسرائیل کے وزیر اعظم اسحاق شمیر نے تو اعلان بھی کر دیا ہے کہ عظیم اسرائیل وجود میں آچکا ہے۔ اب عرب علاقے خالی نہیں کئے جائیں گے۔ فلسطین کا مسئلہ حل کرانے کے لئے عربوں کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ اسرائیل کو تسلیم کریں۔ اس کا باقاعدہ سمجھوتہ ہو جانے پر فلسطینیوں کو اردن میں دھکیلنے کا کام شروع ہو گا اور ان کا قتل عام کیا جائے گا۔ مغربی کنارے میں روسی یہودیوں کو آباد کیا جائے گا۔ اگلے مرحلے میں اردن پر اسرائیل کے حملہ کا جواز پیدا کر کے اس ملک کو اسرائیل میں ضم کر لیا جائے گا۔

۳۔ روس کو دوبارہ سپر طاقت بننے سے روکنا۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے امریکہ روسی ریاستوں کی آزادی کی تحریکوں کی درپردہ حمایت کر رہا ہے۔ لتھوانیا کے مسئلہ پر امریکہ نے روس کو یہ دھمکی بھی دے دی تھی کہ اگر اس نے وہاں اپنی فوج بھیجی تو امریکہ مداخلت کرے گا۔ روس کی چھ ریاستیں یونین سے الگ ہو چکی ہیں جس سے روس کی فوجی طاقت کو زبردست دھچکا لگا ہے۔ افغانستان کی نو سالہ جنگ نے روس کو اقتصادی طور پر پہلے ہی دیوالیہ کر دیا ہے۔ اب وہ امریکہ کی امداد کا محتاج ہے۔

۴۔ جنوبی ایشیا میں بھارت کی بالادستی قائم کرنا۔

یہ مقصد بھی گزشتہ کئی سالوں سے امریکہ کے پیش نظر ہے۔ جمی کارٹر جب امریکہ کے صدر تھے انہوں نے پاکستان کے وزیر خارجہ آغا شاہی سے یہ تک کہہ دیا تھا کہ پاکستان کو بھارت کی بالادستی قبول کر لینی چاہئے۔

امریکہ بھارت کو جنوبی ایشیا کا اسی طرح تھانیدار بنانا چاہتا ہے جس طرح اسرائیل مشرق وسطیٰ میں ہو گا۔ اس مقصد کی راہ میں پاکستان کا ایٹمی پروگرام سب سے بڑی رکاوٹ ہے جس کو ترک کرنے پر مجبور کرنے کے لئے پاکستان پر زبردست سیاسی اور اقتصادی دباؤ ڈالا جا رہا ہے۔ چونکہ اس میں امریکہ کو خاطر خواہ کامیابی نہیں ہو رہی ہے اس لئے اس خدشہ کا اظہار کیا جا رہا ہے کہ امریکہ کہوٹہ کے ایٹمی پلانٹ کو ہدف بنانے سے دریغ نہیں کرے گا۔ اس کے لئے بھارت یا اسرائیل کو آلہ کار بنایا جا سکتا ہے۔

۵۔ دنیا بھر پر امریکہ کا اقتصادی تسلط

تیل کی قیمتوں میں اضافہ، جاپان و جرمنی کی اقتصادی ناکہ بندی اور روس کی طاقت کے قلع قمع کے بعد امریکہ کے پیش نظر یہ بات ہے کہ وہ تیسری دنیا کو صارفین کی منڈی بنا کر ان کی دولت کو سمیٹ کر اپنے ہاں لے جائے اور اس طرح وہ دنیا کی سپریم واحد طاقت کے طور پر پوری دنیا پر حکومت کرے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ نئے عالمی نظام کا بیشتر رخ عالم اسلام کی طرف ہے۔ اس سے کون کون سے اسلامی ممالک کب اور کیسے متاثر ہوں گے اس کا اندازہ آئندہ سالوں میں ہو گا۔ بہرحال امریکہ اور اس کے حواریوں نے اس نظام کی بنیاد رکھ دی ہے۔ اب یہ مسلم زعماء کا کام ہے کہ وہ کس بیدار مغزی سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور ظلم کے شکنجے سے امت کو بچانے کی کیا تدبیریں اختیار کرتے ہیں۔

* =====☆☆☆===== *

اعلان

۱۔ جن خریداروں کا زر تعاون ختم ہو رہا ہو ان سے درخواست ہے کہ وہ از خود آگے کے لئے چندہ بذریعہ منی آرڈر ارسال کر دیا کریں

۲۔ قارئین سے یہ بھی درخواست ہے کہ وہ رسالہ کی اشاعت بڑھانے میں تعاون فرمائیں تاکہ اس کا فکر زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچے۔

۳۔ تدبر کے پچھلے شمارے دس دس کے سیٹ میں مجلد یا الگ الگ عند الطلب مہیا کئے جا سکتے ہیں مجلد کی قیمت ۵۰ روپے ہے۔

تدبر قرآن

خالد مسعود

تفسیر سورۃ اعراف (۵)

اور ہم نے جنوں اور انسانوں میں سے بہتوں کو دوزخ کے لئے پیدا کیا ہے[۱۸۰]۔ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں۔ یہ چوپایوں کے مانند ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو بالکل بے خبر ہیں اور اللہ کے لئے تو صرف اچھی ہی صفتیں ہیں تو انہی سے اس کو پکارو[۱۸۱]۔ اور ان لوگوں کو چھوڑو جو اس کی صفات کے باب میں کجروی اختیار کر رہے ہیں۔ وہ جو کچھ کر رہے ہیں عنقریب اس کا بدلہ پائیں گے اور جن کو ہم نے پیدا کیا ان میں ایک گروہ ایسے لوگوں کا بھی رہا ہے جو حق کے مطابق لوگوں کی رہنمائی اور اس کے مطابق فیصلے کرتے رہے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی ہم ان کو وہاں سے داؤ پر لے جا رہے ہیں جہاں سے انہیں علم نہیں اور میں انہیں ڈھیل دیئے جا رہا ہوں کیونکہ میری تدبیر بہت ہی محکم ہے۔ ۱۸۳

کیا انہوں نے اس بات پر غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کو کوئی جنون نہیں ہے[۱۸۲] وہ تو بس ایک کھلا ہوا

---

۱۸۰ مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کو ان کی ماؤں کے پیٹ سے جہنم کے لئے پیدا کیا ہے۔ ماؤں کے پیٹ سے تو اللہ تعالیٰ نے دل، دماغ، سمع، بصر کی صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے لیکن ضابطہ یہ بنا دیا ہے کہ جو ان صلاحیتوں سے صحیح فائدہ نہ اٹھائیں گے ان کو وہ جہنم میں جھونک دے گا۔

۱۸۱ خدا کو صرف انہی صفات سے متصف کرنا چاہئے جن کا اس کی الوہیت، اس کی قدرت اور اس کی شان یکتائی کے ساتھ جوڑ ہو سکے۔ کوئی ایسی صفت اس کی طرف منسوب نہیں کرنی چاہئے جو خالق کو مخلوق کی صف میں لا کر کھڑا کر دے۔ یہ خدائی صفات کی بے حرمتی ہے۔

۱۸۲ ساتھی سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قریش کو اس امر واقعہ کی طرف توجہ دلائی ہے کہ یہ پیغمبر

ہوشیار کرنے والا ہے کیا انھوں نے آسمانوں اور زمین کے نظام اور ان چیزوں پر نگاہ نہیں کی جو خدا نے پیدا کی ہیں اور اس بات پر کہ کیا عجب کہ ان کی مدت قریب آ گئی ہو تو اس کے بعد وہ کس بات پر ایمان لائیں گے ۱۸۳۔ جن کو خدا گمراہ کردے ان کے لئے کوئی ہدایت دینے والا نہیں بن سکتا۔ ان کو وہ ان کی سرکشی ہی میں بھٹکتا ہوا چھوڑ دیتا ہے وہ تم سے قیامت کے باب میں سوال کرتے ہیں کہ اس کا وقوع کب ہوگا ؟ کہہ دو کہ اس کا علم تو بس میرے رب ہی کے پاس ہے۔ وہی اس کے وقت پر اس کو ظاہر کرے گا۔ آسمان و زمین اس سے بوجھل ہیں ۱۸۴۔ وہ تم پر بس اچانک ہی آ دھمکے گی۔ وہ تم سے پوچھتے ہیں گویا تم اس کی تحقیق کیے بیٹھے ہو۔ کہہ دو 'اس کا علم تو بس اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہہ دو 'میں اپنی ذات کے لئے کسی نفع و نقصان پر کوئی اختیار نہیں رکھتا 'مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو خیر کا بڑا خزانہ جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند نہ پہنچ پاتا ۱۸۵۔ میں تو بس ان لوگوں کے لئے ایک ہوشیار کرنے والا اور خوش خبری دینے والا ہوں جو ایمان لائیں ۱۸۸

وہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا ایک ہی جان سے اور اسی سے پیدا کیا اس کا جوڑا کہ وہ اس سے تسکین

تمہارے لئے کوئی اجنبی شخص نہیں ہیں۔ ان کی سلامت روی 'صداقت شعاری 'بے غرضی 'پاکبازی 'فکر ورائے کی اصابت اور دانش و بینش کی پختگی کے تم قائل رہے ہو۔ اب ان میں تم کو دیوانوں اور خبطیوں کی کون سی بات نظر آنے لگی ہے 'جس چیز کو تم خبط قرار دے رہے ہو وہ تو وہ بے قراری اور بے چینی ہے جو تمہیں عذاب کے خطرے سے بچانے کے لئے ان کے اندر موجزن ہے۔

۱۸۳ یعنی ایمان لانے کا وقت تو اب ہے۔ اجل معین پوری ہو جانے کے بعد تو وہ صرف انجام کو دیکھیں گے۔ اس وقت ایمان لانے کے لئے کون سی بات باقی رہ جائے گی۔

۱۸۴ یعنی جس طرح ایک حاملہ اپنے بوجھ سے سبکدوش ہونے کے لئے منتظر اور بے قرار ہوتی ہے وہی بے قراری آسمان و زمین کے اندر قیامت کی گھڑی کے ظہور کے لئے نمایاں ہے۔ البتہ اس کے ظہور کے وقت کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

۱۸۵ یعنی مجھے وحی عطا ہوئی ہے 'علم غیب کی کنجیاں مجھے نہیں ملی ہیں۔ اگر مجھے غیب کا علم مل گیا ہوتا تو میں خیر کا بڑا خزانہ جمع کر لیتا اور مجھے کوئی گزند بھی نہ پہنچ پاتا۔ پیغمبر اپنے حوصلہ اور ارمان کے لحاظ سے خیر کی کسی وادی کو بغیر طے کئے نہیں چھوڑنا چاہتا لیکن وہ خیر کی راہوں سے واقف اسی حد تک ہوتا ہے جس حد تک اس کو وحی الٰہی کی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔

پائے تو جب وہ اس کو چھا لیتا ہے تو وہ اٹھا لیتی ہے ایک ہلکا سا حمل 'پھر وہ اس کو لئے کچھ وقت گزارتی ہے تو جب بوجھل ہوتی ہے دونوں اللہ 'اپنے رب سے دعا کرتے ہیں 'اگر تو نے ہمیں تندرست اولاد بخشی تو ہم تیرے شکر گزاروں میں سے ہوں گے تو جب اللہ انکو تندرست اولاد دے دیتا ہے تو اسکی بخشی ہوئی چیز میں وہ اس کے لئے دوسرے شریک ٹھہراتے ہیں ۱۸۶۔ اللہ برتر ہے ان چیزوں سے جن کو یہ شریک ٹھہراتے ہیں

کیا وہ ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو کسی چیز کو پیدا نہیں کرتیں بلکہ وہ خود مخلوق ہیں اور وہ نہ ان کی کسی قسم کی مدد کر سکتی ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتی ہیں اور اگر ان کو رہنمائی کے لئے پکارو وہ تمہارے ساتھ نہ لگیں گے 'یکساں ہے خواہ تم ان کو پکارو یا تم خاموش رہو جن کو تم اللہ کے ماسوا پکارتے ہو یہ تو تمہارے ہی جیسے بندے ہیں۔ پس ان کو پکار دیکھو ۱۸۷ وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے وہ چلتے ہیں 'کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑتے ہیں 'کیا ان کے آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں 'کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے ہوں ؟ ۱۸۸ کہہ دو 'تم اپنے شریکوں کو بلاؤ 'میرے خلاف چالیں چل دیکھو اور مجھے مہلت نہ دو میرا کارساز اللہ ہے جس نے کتاب اتاری ہے اور وہ نیکوکاروں کی کارسازی فرماتا ہے اور جن کو تم اللہ کے ماسوا پکارتے ہو نہ وہ تمہاری ہی مدد کر سکتے ہیں اور نہ اپنی ہی مدد کر سکتے ہیں اور اگر تم ان کو رہنمائی کے لئے پکارو وہ تمہاری بات نہ سنیں گے اور تم ان کو دیکھتے ہو کہ وہ تمہاری طرف تاک رہے ہیں لیکن انہیں سوجھتا

---

۱۸۶ یہ بات انسانی فطرت کا یہ خاص پہلو بیان کرنے کے لئے آئی ہے کہ انسان اپنی اصل ضرورت اور احتیاج کے وقت تو اپنے رب ہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے لیکن جب وہ احتیاج پوری ہو جاتی ہے تو اس کامیابی کو وہ دوسرے وسائل اور اسباب کا کرشمہ قرار دینے لگتا ہے اور اپنی خود فراموشیوں میں پھر گم ہو جاتا ہے جن میں پہلے کھویا ہوا تھا۔

۱۸۷ اہل عرب جن بتوں کو پوجتے تھے وہ ان کے گمان کے مطابق فرشتوں 'جنات اور کواکب کے بت تھے۔ فرمایا کہ اگر تمہارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ تمہاری مدد کر سکتے ہیں تو ان کو پکارو 'یہ تمہاری مدد کریں۔

۱۸۸ بت پرستی دو جزوں سے مرکب ہوتی ہے۔ ایک تو وہ ذوات ہیں جن کو بت پرست اللہ مان کر پوجتے ہیں 'دوسرے وہ مورتیں ہوتی ہیں جن کو وہ ذوات کے پیکر اور قالب کی حیثیت سے ڈھالتے اور تراشتے ہیں اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ ان کے مزعومہ الٰہ ان مظاہر کے اندر حلول کر گئے ہیں۔ یہاں ان مظاہر کو پیش نظر رکھ کر بات کی گئی ہے۔

کچھ بھی نہیں در گزر کرو ' نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے اعراض کرو ۱۹۹۔ اور اگر تمہیں کوئی وسوسہ شیطانی لاحق ہونے لگے تو اللہ کی پناہ چاہو ' بے شک وہ سننے والا اور جاننے والا ہے جو لوگ خدا ترس ہیں جب ان کو کوئی شیطانی چھوت لاحق ہونے لگتی ہے وہ خدا کا دھیان کرتے ہیں ۲۰۰ اور دفعتہ ان کے دل روشن ہو جاتے ہیں اور جو ان ناخدا ترسوں کے بھائی ہیں ۲۰۱ وہ ان کو گمراہی میں بڑھاتے ہیں پھر کوئی کسر نہیں چھوڑتے ۲۰۲۔

اور جب تم ان کے پاس کوئی نشانی نہیں لاتے کہتے ہیں کہ اسے کیوں نہ گھڑ لائے ! ۲۰۲ کہہ دو ' میں تو بس اسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔ یہ تمہاری رب کی طرف سے آنکھیں کھولنے والی آیات اور ہدایت و رحمت ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائیں اور جب قرآن سنایا جائے تو اس کو توجہ سے سنو ۲۰۳ اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ۲۰۴۔

اور اپنے رب کو صبح و شام یاد کرو اپنے دل میں عاجزی اور خوف کے ساتھ اور پست آواز سے اور غافلوں میں سے نہ بنو ۲۰۴ بے شک جو تیرے رب کے پاس ہیں وہ اس کی بندگی کرنے سے نہیں اکڑتے ' وہ اس کی تسبیح کرتے اور اسی کو سجدہ کرتے ہیں ۲۰۶۔

---

۱۹۹ یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو ہدایات دی گئی ہیں کہ تم توحید اور معاد اور نیکی و عدل کی جو دعوت دے رہے ہو اس پر جمے رہو اور ان جاہلوں کی پروا نہ کرو۔

۲۰۰ یعنی ان شیاطین جن و انس کی پرزہ سرائیوں سے دل کو کوئی صدمہ پہنچے تو اپنے رب کی پناہ ڈھونڈو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ آدمی اپنے رب کو یاد کرے۔ یہ چیز دل کے اندر ایسی بصیرت اور ایسی قوت و ہمت پیدا کر دے گی کہ دفعتہ آنکھوں کے آگے کا سارا غبار چھٹ جائے گا۔

۲۰۱ بھائی سے مراد جاہلین کے وہ ساتھی ہیں جو ان کو گمراہی کی وادیوں میں بھٹکاتے بھٹکاتے ایسی منزل پر پہنچا دیتے ہیں کہ بازگشت کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہ جاتا۔

۲۰۲ یہ شیطانی طعنوں کی ایک مثال ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر وقت سابقہ تھا۔ کفار کہتے کہ ہم معجزہ کا جو مطالبہ کر رہے وہ تم پیش کیوں نہیں کرتے۔ اس کو بھی کہیں سے چھانٹ لاتے !

۲۰۳ یہ قرآن کی ہدایت سے مستفید ہونے کا طریقہ بتایا ہے کہ اس کو سنو اور شور و شغب کے بجائے خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ ایسا کرو گے تو رحمت الٰہی تمہاری طرف متوجہ ہو گی۔

۲۰۴ یہ خدا کی پناہ میں آنے کے لئے اس کو یاد کرنے کا طریقہ بتایا ہے کہ یہ ذکر عاجزی اور خوف کے ساتھ دل میں ہو ' بہت زیادہ بلند آواز سے نہ ہو اور ہر وقت ہو۔ خدا کی یاد سے کبھی غفلت نہ ہونے پائے۔

تفسیر سورۃ انفال (۱)

وہ تم سے غنیمتوں کے بابت سوال کرتے ہیں ' ان کو بتا دو کہ غنیمتیں اللہ اور رسول کے لئے ہیں ' پس اللہ سے ڈرتے رہو ' اپنے باہمی تعلقات کی اصلاح اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو ' اگر تم سچے مومن ہو ۱ ۲ مومن تو وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے ان کے دل دہل جائیں اور جب اس کی آیتیں ان کو سنائی جائیں تو وہ ان کے ایمان میں اضافہ کریں اور وہ اپنے رب ہی پر بھروسہ رکھیں ۲ جو نماز کا اہتمام کریں اور اس مال میں سے جو ہم نے ان کو بخشا ہے ' خرچ کریں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں ۳ ۳ ان کے لئے ان کے رب کے پاس درجے اور مغفرت اور باعزت روزی ہے ۴

مضمون: یہ مدنی سورہ ہے جس میں مسلمانوں کو تقویٰ ' باہمی اخوت اور اللہ و رسول کی اطاعت کی اساس پر منظم اور بیت اللہ کی تولیت کے لئے جہاد کی تیاری کی دعوت دی گئی ہے۔

---

۱ غنیمت سے مراد وہ مال ہے جو راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کو مفتوح دشمن سے میدان جنگ میں حاصل ہوتا ہے۔ مال غنیمت کی تقسیم کا سوال غزوۂ بدر میں فتح کے بعد پیدا ہوا۔ اس کا جواب یہ دیا گیا کہ یہ اللہ و رسول کی ملک ہے۔ قرآن میں یہ انداز بیان اجتماعی ملکیت کی تعبیر کے لئے آیا ہے۔

۲ یہاں تقویٰ اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی اصلاح کو ان کی اجتماعی شیرازہ بندی کی بنیاد قرار دیا گیا ہے۔

۳ یہ سچے اہل ایمان کے اوصاف ہیں کہ ان کے اندر خدا کی عظمت و جلالت کا شعور ہوتا ہے ' خدا کے احکام ان کی دولت ایمان میں اضافہ کا باعث ہوتے ہیں ' وہ ہر آزمائش میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور نماز اور انفاق کا اہتمام کرتے ہیں۔

اسی طرح کی بات اس وقت ظاہر ہوئی جب تمہارے رب نے ایک مقصد کے ساتھ تم کو گھر سے نکلنے کا حکم دیا اور مسلمانوں میں سے ایک گروہ کو یہ بات ناگوار تھی ٥ وہ تم سے امر حق میں جھگڑتے رہے باوجودیکہ حق ان پر اچھی طرح واضح تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ وہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں اور وہ اس کو دیکھ رہے ہیں ٥ یاد کرو جب کہ اللہ تم سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارا لقمہ بنے گا اور تم یہ چاہ رہے تھے کہ غیر مسلح گروہ تمہارا لقمہ بنے اور اللہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے کلمات سے حق کا بول بالا کرے اور کافروں کی جڑ کاٹ دے ٥ ۴ تاکہ مجرموں کے علی الرغم وہ حق کو پا برجا اور باطل کو نابود کرے ٥ ۸

اور یاد کرو جب کہ تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری فریاد سنی کہ میں ایک ہزار فرشتے تمہاری کمک پر بھیجنے والا ہوں جن کے پرے کے بعد پرے نمودار ہوں گے ٥ اور یہ صرف اس لئے کیا کہ تمہارے لئے خوش خبری ہو اور اس سے تمہارے دل مطمئن ہوں اور مدد تو خدا ہی کے پاس سے آتی ہے۔ بے شک اللہ عزیز و حکیم ہے ٥ یاد کرو جب کہ وہ تم کو چین دینے کے لئے اپنی طرف سے تم پر نیند طاری کر دیتا ہے اور تم پر آسمان سے پانی برسا دیتا ہے تاکہ اس سے تم کو پاکیزگی بخشے اور تم سے شیطان کے وسوسے کو دفع کرے اور تاکہ اس سے تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور قدموں کو جمائے ٥ یاد کرو جب تمہارا رب فرشتوں کو وحی کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم ایمان والوں کو جمائے رکھو ۵۔ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا تو مارو ان کی گردنوں پر اور مارو ان کے پور پور پر ٥ یہ اس سبب سے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے مقابلہ کو اٹھے ہیں اور جو اللہ و رسول کے مقابلہ کو اٹھتے ہیں تو اللہ ان کے لئے سخت پاداش والا ہے ٥ سو یہ تو نقد چکھو اور کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب ہے ٥ ۱۳

---

۴ یہاں اشارہ جنگ بدر کی طرف ہے۔ فرمایا کہ مال غنیمت کے معاملہ میں جو کمزوری ظاہر ہوئی اسی طرح کی کمزوری بعض لوگ غزوہ بدر کے لئے نکلنے میں دکھا چکے ہیں۔ وہ جانتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نکلنا قریش کی اس فوج سے مقابلہ کے لئے ہے جو تجارتی قافلہ کی حفاظت کا بہانہ بنا کر مدینہ پر حملہ کرنا چاہتی ہے لیکن ان کی کوشش یہ رہی کہ آنحضرت تجارتی قافلہ کا رخ کریں۔ ان آیات سے یہ بات واضح ہے کہ آنحضرت کا نکلنا اور تجارتی قافلہ کے بجائے قریش کے لشکر سے مقابلہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا۔

۵ ان آیات میں ان غیبی تائیدات کا حوالہ ہے جو مسلمانوں کی تقویت اور حوصلہ افزائی کے لئے بدر کے موقع پر ظاہر ہوئیں مثلاً مسلمانوں کی دعا قبول کرتے ہوئے ہزار فرشتوں کی مدد کی خوشخبری' بر سر موقع میدان جنگ میں شب کو اطمینان کی نیند' پانی کے چشمہ پر قریش کے قبضہ کے بعد بارش کا نزول اور فرشتوں کو یہ ہدایت

اے ایمان والو' جب تمہارا کفار سے مقابلہ ہو فوج کشی کی صورت میں تو ان کو پیٹھ نہ دکھائیو ٥ اور جو ان کو اس وقت پیٹھ دکھائے گا' بجز اس کے کہ جنگ کے لئے پینترا بدلنا چاہتا ہو یا کسی جماعت کی طرف سمٹ رہا ہو' تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا ۶ اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ نہایت ہی برا ٹھکانا ہے ٥ پس تم لوگوں نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا اور جب تو نے ان پر خاک پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ۷ کہ اللہ اپنی شانیں دکھائے اور اپنی طرف سے اہل ایمان کے جوہر نمایاں کرے۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے ٥ یہ جو کچھ ہوا سامنے ہے اور اللہ کافروں کے سارے داؤں بے کار کر کے رہے گا ٥ اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو تمہارے سامنے فیصلہ آ گیا اور اگر تم باز آ جاؤ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے اور اگر تم پھر یہی کرو گے تو ہم بھی یہی کریں گے اور تمہاری جمعیت تمہارے کچھ کام نہ آئے گی خواہ کتنی ہی زیادہ ہو ۸ ٥ اور بے شک اللہ مومنین کے ساتھ ہے ٥ ۱۹

اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اس سے روگردانی نہ کرو جب کہ تم سن رہے ہو ٥ اور ان لوگوں کی روش نہ اختیار کرو جو دعویٰ تو کرتے کہ ہم نے سنا لیکن سنتے سناتے کچھ نہیں تھے ٥ اللہ کے نزدیک بدترین جانور یہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے ۹ ٥ اور اگر اللہ ان میں کوئی

خداوندی کہ وہ مسلمانوں کا حوصلہ بحال رکھیں اور کفار کو مرعوب کریں۔

۶ عرب میں جنگ کے دو طریقے معروف تھے۔ ایک منظم فوج کشی کا دوسرا گوریلا جنگ کا۔ یہاں منظم فوج کشی کی صورت کے لئے ہدایات دی ہیں کہ اس میں فرار کی نوعیت کا پیٹھ دکھانا حرام ہے۔ البتہ تدبیر جنگ کی نوعیت کا پیچھے ہٹنا جائز ہے۔

۷ جب کفار کی فوجیں مسلمانوں کے سامنے آئیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر خاک زمین سے اٹھائی اور کفار پر لعنت کرتے ہوئے ان کی طرف پھینکی۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ کفار کو اپنی آنکھوں کی پڑ گئی۔ فرمایا کہ یہ دست غیب کا کارنامہ تھا جو اس فعل کے پردے میں ظاہر ہوا۔

۸ یہ قریش کو تنبیہہ ہے کہ تم کہتے تھے کہ اس جنگ میں جس کو فتح حاصل ہو گی وہ برسر حق سمجھا جائے گا تو دیکھ لو مسلمانوں کی فتح ہو گئی۔ اب بہتر ہے کہ تم مزید شرارت کی جرات نہ کرو۔ یہ اچھی طرح یاد رکھو کہ تمہارے لاؤ لشکر کی کثرت کچھ کام نہ آئے گی۔ مسلمانوں کے پہلو پر ہم ہیں۔

۹ یہ کمزور قسم کے مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ پوری وفاداری کے ساتھ اللہ و رسول کی اطاعت کرو رسول کی عین موجودگی میں اس سے انحراف نہ اختیار کرو۔ یہ روش یہود کی ہے جو کہتے تھے ہم نے مانا لیکن عملاً

صلاحیت دیکھتا تو ان کو سننے کی توفیق دیتا اور اگر صلاحیت بدوں ان کو سنواتا تو وہ اعراض کرتے ہوئے منہ پھیرتے ہ ۲۳

اے ایمان والو! اللہ و رسول کی دعوت پر لبیک کہو جب کہ رسول تمہیں اس چیز کی دعوت دے رہا ہے جو تمہیں زندگی بخشنے والی ہے اور جان رکھو کہ اللہ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جایا کرتا ہے ۱۰ اور یاد رکھو کہ اسی کی طرف تمہارا اکٹھا ہونا ہے ہ اور بچتے رہو اس فتنہ سے جو مخصوص طور پر انہی لوگوں کو نہیں لاحق ہو گا جنہوں نے جرم کا ارتکاب کیا ہو گا اور جان رکھو کہ اللہ سخت پاداش والا ہے ہ ۲۵

اور یاد کرو جب کہ تم تھوڑے اور ملک میں دبے ہوئے تھے' ڈرتے تھے کہ لوگ تمہیں اچک نہ لیں تو خدا نے تمہیں پناہ دی اور اپنی نصرت سے نوازا اور تم کو پاکیزہ روزی دی تاکہ شکر گزار بنو ہ اے ایمان والو'

اللہ و رسو ہ بے وفائی اور اپنی امانتوں میں خیانت جانتے بوجھتے نہ کرو ۱۱ہ اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتـ ہیں اور یہ کہ اللہ ہی کے پاس اجر عظیم ہے ۱۲ ہ ۲۸

اے ایمان لانے والو' اگر تم اللہ سے ڈرتے رہے تو وہ تمہارے لئے فرقان نمایاں کر دے گا ۱۳ اور تم سے تمہارے گناہ جھاڑ دے گا اور تمہاری مغفرت فرمائے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے ہ خیال کرو جبکہ کفار تمہارے باب میں سازش کر رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا قتل کر دیں یا جلاوطن کر دیں۔ وہ سازش کر رہے تھے

نافرمانی کرتے تھے۔ اگر تم سب کچھ سن کر اسی طرح بہرے گونگے بنے رہے' رسول کی سنی ان سنی کرتے رہے اور عقل و فہم سے کام نہ لیا تو خدا کے نزدیک جانوروں سے بھی بدتر ہو گے۔

۱۰ یہ مسلمانوں کو تنبیہہ ہے کہ رسول کی دعوت تمہارے لئے روح و قلب کی زندگی کی دعوت ہے۔ اسکی قدر کرو اور اس پر لبیک کہو۔ اگر تم اس کے بارے میں تذبذب کا شکار رہے تو یاد رکھو کہ آدمی اور اس کی قوت ارادی کے درمیان خدا کا قانون حائل ہو جاتا ہے' پھر وہ خیر کی توفیق سے محروم ہو جاتا ہے۔

۱۱ تمام حقوق اور ذمہ داریاں خواہ وہ کسی عہد و اقرار کے تحت عائد ہوئی ہوں یا معروف فطری قانون کے تحت سمجھی یا مانی جاتی ہوں' امانت کے مفہوم میں داخل ہیں اور ان کی خلاف ورزی خیانت ہے۔

۱۲ خدا و رسول سے بے وفائی یا لوگوں کے حقوق میں خیانت کی تہ میں مال اور اولاد کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہوتی ہے اور یہ محبت نفاق کا سب سے بڑا دروازہ ہے۔

۱۳ فرقان سے مراد ہر وہ چیز ہے جو حق و باطل کے درمیان امتیاز کر دے۔ یہاں یہ لفظ اسلام اور مسلمانوں کے کامل غلبہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

۱۴ اور اللہ بھی تدبیر فرما رہا تھا اللہ بہترین تدبیر فرمانے والا ہے ہ ۳۰

اور جب ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتیں' کہتے ' بس سن لیا۔ اگر ہم چاہیں ہم بھی ایسا ہی کلام پیش کر دیں۔ یہ تو بس اگلوں کے فسانے ہیں ہ اور یاد کرو جب انہوں نے کہا کہ اے اللہ اگر یہی حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب لا ہ اور اللہ ان کو عذاب دینے کا روادار نہ تھا جب کہ تم ان میں موجود تھے اور اللہ ان کو عذاب دینے کا روادار نہیں ہو سکتا جب کہ وہ مغفرت کے طلب گار ہوں ۱۵ہ اور ان کو کیوں نہ عذاب دے گا جب کہ وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں درآنحالیکہ وہ اس کے متولی نہیں' اس کے متولی تو صرف خدا سے ڈرنے والے ہو سکتے ہیں لیکن ان میں سے اکثر اس حقیقت سے واقف نہیں ہ اور بیت اللہ کے سامنے ان کی نماز سیٹی بجانے اور تالی پیٹنے کے سوا کچھ نہیں۔ ۱۶ تو اب چکھو عذاب اپنے کفر کی پاداش میں ہ ۳۵

جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے وہ اپنے مال اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔ وہ اس کو خرچ کریں گے' پھر یہ ان کے لئے سرمایہ حسرت بنے گا پھر یہ مغلوب ہوں گے اور یہ کافر جمع کر کے جہنم کی طرف ہنکائے جائیں گے ہ تاکہ اللہ خبیث کو طیب سے چھانٹ کر الگ کرے اور خبیث کو ایک دوسرے پر ڈھیر کرے' پھر اس کو جہنم میں جھونک دے ۱۷ یہی لوگ نامراد ہونے والے ہیں ہ ۳۷

---

۱۴ یہ مکہ میں قریش کی اس سازش کی طرف اشارہ ہے جس میں غور و بحث کے بعد آنحضرتؐ کے قتل کی تجویز پر اتفاق ہوا تھا اور اس میں قریش کے تمام خاندانوں نے شریک ہونا تھا۔

۱۵ کفار کہا کرتے کہ اگر قرآن کی دعوت حق ہے تو اس کی مخالفت میں اللہ ہم پر کوئی عذاب کیوں نہیں بھیجتا۔ فرمایا کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ جب تک پیغمبر قوم کے اندر موجود اور اہل ایمان استغفار کرتے رہیں تو یہ چیزیں عذاب کے لئے سپر بنی رہتی ہیں۔ رسول کی ہجرت کے بعد عذاب کے آنے میں کوئی رکاوٹ نہیں رہ جاتی۔

۱۶ قریش کو یہ زعم تھا کہ وہ خانہ کعبہ کے متولی اور پاسبان ہیں اس لئے ان پر عذاب کہاں سے آ سکتا ہے۔ فرمایا کہ ان کے اندر وہ خصوصیات باقی نہیں ہیں جو اس گھر کی تولیت کے لئے ضروری ہیں۔ انہوں نے تو ابراہیمی نمازی کو حرم سے خارج کر دیا ہے اور سیٹی اور تالی بجانے کی حماقتیں یہاں باقی رہ گئی ہیں۔ ان کو دین سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ دین کی ہر بات میں وقار' متانت' خشیت و پاکیزگی کی جھلک اور معرفت و روحانیت کی مہک ہوتی ہے۔

۱۷ یعنی آخرت میں اللہ تعالیٰ سارے خبیث کو طیب سے بالکل الگ کر دے گا اور اس کو تہ بہ تہ ڈھیر کر کے جہنم میں جھونک دے گا۔ گویا اہل کفر جس طرح اس دنیا میں تائید کفر میں ایک دوسرے کے پشت پناہ ہیں اسی طرح جہنم میں ایک دوسرے کو جلانے کے لئے باہم گرایندھن کا کام دیں گے۔

ایمان و اسلام کی بحث

صحیح بخاری کی کتاب الایمان

صحیح بخاری کا پہلا باب کیف کان بدء الوحی کا ہے جس میں کل چھ روایتیں ہیں۔ ان چھ میں سے صرف دو روایتیں باب سے متعلق ہیں۔ باقی چار 'جیسا کہ ہم نے واضح کیا' باب سے کوئی ادنیٰ تعلق بھی نہیں رکھتی ہیں۔ باب کیف کان بدء الوحی کے بعد کتاب الایمان کا آغاز ہوتا ہے۔ اس میں امام صاحب نے پچاس روایات نقل کی ہیں جو بیالیس ابواب کے تحت ہیں۔ اس کے برعکس امام مسلم نے اپنی صحیح کی کتاب الایمان میں روایات نہایت سلیقے سے جمع کردی ہیں اور اس میں ترتیب کا بھی لحاظ رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوجاتا ہے کہ ایمان کی اصل کیا ہے' ایمان کے فروع کیا ہیں' کیا فروعات ہیں جو ایمان کے منافی ہیں۔ صحیح مسلم کی ترتیب نہایت سائنٹیفک ہے۔ امام بخاری کے ہاں ان جیسی ترتیب و باقاعدگی نہیں پائی جاتی' جیسا کہ آگے روایات کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا۔

باب ۲ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس وھو قول و فعل ویزید و ینقص۔ قال اللہ تعالے لیزدادو ایمانا مع ایمانھم وزدنھم ھدی ویزید اللہ الذین اھتدو اھدی و الذین اھتدو ازادھم ھدی و اتھم تقوھم ویزداد الذین امنو ایمانا و قولہ عز و جل ایکم زادتہ ھذہ ایمانا فاما الذین امنو افزادتھم ایمانا و قولہ فاخشوھم فزادھم ایمانا و قولہ و مازادھم الا ایمانا و تسلیما و الحب فی اللہ و البغض فی اللہ من الایمان و کتب عمر بن عبدالعزیز الی عدی ابن عدی ان الایمان فرائض و شرائع و حدود او سننا فمن استکملھا استکمل الایمان و من لم یستکملھا لم یستکمل الایمان فان اعش فسابینھا لکم حتی تعملو ابھا و ان امت فما انا علی صحبتکم بحریص و قال ابراھیم علیہ السلام و لکن لیطمئن قلبی و قال معاذ اجلس بنا نو من ساعتہ و قال ابن مسعود الیقین الایمان کلہ و قال ابن عمر لا یبلغ العبد حقیقتہ التقوی حتی یدع ما حاک فی الصدر و قال مجاھد شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا اوصیناک یا محمد و ایاہ دینا و احدا و قال ابن عباس شرعتہ و منھاجا سبیلا و سنتہ و دعاء کم ایمانکم۔

ترجمہ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کا باب کہ اسلام کی عمارت پانچ چیزوں پر اٹھائی گئی ہے۔ اور ایمان نام ہے قول اور فعل کا اور وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے (سورہ فتح میں) فرمایا تاکہ وہ زیادہ کریں اپنے ایمان کو اپنے سابق ایمان کے ساتھ اور (سورہ کہف میں فرمایا) ہم نے ان کی ہدایت زیادہ کی۔ اور (سورہ مریم میں ہے) جو لوگ ہدایت پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت میں مزید اضافہ کرتا ہے اور (سورہ محمد میں ہے) جو لوگ ہدایت پر ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مزید ہدایت دیتا اور ان کو تقویٰ عطا کرتا ہے۔ اور (سورہ مدثر میں ہے) وہ زیادہ کرتا ہے اہل ایمان کے لئے ان کا ایمان۔ اور (سورہ توبہ میں) ارشاد ہے کہ اس سورۃ نے تم میں سے کن کے ایمان کو زیادہ کیا۔ تو جو لوگ ایمان لائے اس نے ان کے ایمان میں اضافہ کیا اور (سورہ آل عمران میں) فرمایا ان سے ڈرو تو اس چیز نے ان کے ایمان کو زیادہ کردیا اور اللہ تعالےٰ کا قول (سورہ احزاب میں) ہے کہ ان کو نہیں زیادہ کیا اس چیز نے مگر ایمان اور اطاعت میں۔ نیز اللہ کی راہ میں محبت اور بغض رکھنا دونوں ہی ایمان میں شامل ہیں۔ اور حضرت عمر بن عبدالعزیز نے عدی بن عدی کو لکھا کہ ایمان فرائض' قوانین' حدود الٰہی اور سنن کا مجموعہ ہے تو جو ان سب کی تکمیل کرے گا اس نے اپنے ایمان کو مکمل کیا اور جس نے ان کی تکمیل نہیں کی اس نے اپنے ایمان کو مکمل نہیں کیا۔ اگر میں زندہ رہا تو تم لوگوں پر اس کو واضح کردوں گا۔ یہاں تک کہ تم اس کے مطابق عمل کرو اور اگر مر گیا تو میں تم لوگوں کی صحبت کا حریص نہیں۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی کہ میں چاہتا ہوں کہ میرا دل بھی مطمئن ہوجائے۔ معاذ کا قول ہے آؤ تھوڑی دیر ایمان تازہ کرلیں۔ ابن مسعود کا قول ہے کہ یقین کل کا کل ایمان ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عمر کا قول ہے کہ آدمی تقویٰ کی حقیقت کو نہیں پا سکتا جب تک کہ وہ چیزیں نہ چھوڑ دے جو اس کے دل میں کھٹکتی ہیں۔ اور مجاہد نے آیت شرع لکم کی یہ تفسیر کی ہے کہ اے محمدؐ ہم نے تم کو اور نوح کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے اور ابن عباس نے قرآن کے الفاظ شرعۃ و منہاجا کا مطلب راستہ اور سنت بتایا ہے اور مجاہد نے دعاؤکم سے مراد ایمانکم لیا ہے۔

وضاحت۔ باب کا یہ عنوان ایک ملغوبہ ہے جس میں قرآن کی آیات' صحابہ کے اقوال' تابعین کے

تفسیری کلمات اور حضرت عمربن عبدالعزیز کے مکتوب کا ذکر ہے۔ قرآنی آیات اور اقوال ملے جلے ہیں اور کوئی چیز بھی کسی ترتیب سے نہیں اور نہ ہی امام صاحب نے یہ بات ملحوظ رکھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول کے بعد رسول ؐکا قول، پھر صحابہؓ کے اقوال اور اس کے بعد حضرات تابعین اور حضرت عمربن عبدالعزیز کا ذکر آئے۔

آغاز میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل ہوا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔ لیکن ان ارکان کی تفصیل بیان کرنے کی بجائے یہ بتایا گیا ہے کہ ایمان قول اور فعل کا نام ہے اور وہ بڑھتا بھی ہے اور گھٹتا بھی۔ عبارت میں ضمیر ھو کا مرجع بظاہر اسلام معلوم ہوتا ہے لیکن آگے جو گھٹنے بڑھنے کا ذکر ہے اس سے اسلام کا جوڑ نہیں بیٹھتا بلکہ یہ صفت ایمان کی ہے لہٰذا ھو سے امام صاحب نے ایمان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس دعوے کی دلیل کے طور پر قرآنی آیات کے ٹکڑے ان کے سیاق و سباق کو نظرانداز کرکے نقل کئے گئے ہیں۔ بلکہ ان میں بعض آیات تو اس طرح نامکمل درج کی ہیں کہ اگر خبر آگئی ہے تو اس کا مبتدا غائب ہے جس سے آیت کا صحیح مفہوم ہی سامنے نہیں آتا۔

پھر بتایا کہ جزوی نیکیاں بھی ایمان کا شعبہ ہیں۔ ان سے بھی ایمان میں زیادتی یا کمی ہوتی ہے۔ یہی بات اس باب کا اصل مسئلہ ہے۔ پھر حضرت عمربن عبدالعزیز کے قول کا حوالہ دیا ہے۔ یہ بہت اچھا قول ہے۔ اس سے بھی ایمان کا نقص اور کمال ظاہر ہوتا ہے۔ اس قول کے بعد امام بخاری کو یاد آگیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قول بھی ہے کہ "ولکن لیطمئن قلبی" (میں چاہتا ہوں کہ میرا دل بھی مطمئن ہو) یہ اشارہ ہے اس واقعہ کی طرف جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے درخواست کی کہ پروردگار مجھے مشاہدہ کروا کہ تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ "اولم تومن" (کیا تو ایمان نہیں رکھتا)۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ ایمان تو ہے۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ میرا دل بھی مطمئن ہو۔ امام صاحب نے صرف یہ آخری ٹکڑا لے لیا ہے۔ اس کے بعد حضرت معاذ بن جبل کا قول لیا ہے کہ آؤ کچھ دیر بیٹھ کر ایمان تازہ کرلیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایمان باسی بھی ہو جاتا ہے۔ اس سے بھی یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ ایمان گھٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی ہے۔ لیکن یہاں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ حضرت معاذؓ نے یہ بات کس لئے کہی۔

آگے ابن مسعودؓ کا قول ہے۔ کہ یقین کل کا کل ایمان ہے۔ اس قول کا کیا محل ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا۔ محل معلوم ہو تو پتہ چلے کہ اس میں کون سی حکمت بیان کی گئی ہے۔

اس کے بعد حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے قول کا حوالہ ہے جس میں وہ تقویٰ کی حقیقت بیان کرتے ہیں۔ شاید اس سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ تقویٰ بھی ایمان کا ہی ایک شعبہ ہے۔

اس کے بعد مجاہد کا قول ہے۔ اس قول سے نہ معلوم امام بخاری کیا فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ یہ صرف مصنف کے ذہن میں ہے۔ اس سے زیادہ اس کی کوئی حقیقت نہیں کیونکہ ایمان کے گھٹنے بڑھنے سے اس کا کوئی

تعلق نہیں اور شرع کے معنی وصیت کے یہ ایسی رائے ہے جس کی تائید مشکل ہے۔ عکرمہ اور مجاہد ایسے مظلوم لوگ ہیں کہ لوگوں نے بہت سی چیزیں ان کی طرف خواہ مخواہ منسوب کردی ہیں حالانکہ یہ بڑے عالی مقام مفسر قرآن تھے۔

"دعاؤکم" سورہ فرقان کی آخری آیات **"قل مایعبئوا بکم ربی لولا دعاؤکم"** کا حصہ ہے۔ اس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ میرے رب کو تمہاری کیا پروا تھی۔ لیکن چونکہ وہ عذاب دینے سے پہلے یہ چاہتا ہے کہ تم کو ایمان کی دعوت دی جائے اس لئے میں اس کھکھیڑ میں پڑا ہوں۔ امام صاحب نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں "دعاؤکم" کا مطلب "ایمانکم" ہے۔ گویا مفہوم یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان مطلوب نہ ہوتا تو مجھے اس کھکھیڑ میں پڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ میرے خیال میں "دعاؤکم" سے مراد دعوت دینا ہی ہے کیونکہ یہ لازم نہیں کہ دعوت ایمان پر منتج ہو۔

باب کے الفاظ پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی نوعیت کچھ یادداشتوں کی ہے۔ جو ایک مصنف لکھنے سے پہلے نوٹ کرلیتا ہے اور ان معلومات کی روشنی میں آگے مواد قلمبند کرتا ہے۔

امام بخاری نے پہلے باب کے عنوان میں اتنی باتیں کیوں جمع کیں میرے نزدیک اس میں حالات کا دخل ہے۔ ان کے زمانے میں جو فتنے اٹھے تھے ان فتنوں کی تردید کرنے کے لئے وہ چاہتے تھے کہ تمام ضروری معلومات اس باب میں یا چند ایک ابواب میں جمع کردیں۔ اس زمانے میں کلامی فرقوں میں سے مرجئہ، کرامیہ اور معتزلہ پیدا ہو چکے تھے۔ ایمان کے بارے میں ان کے اندر اختلاف تھا۔ مومن کون ہے اور ایمان کی کیا شرائط ہیں، اس کے متعلق ان کی رائیں الگ الگ تھیں۔ مرجئہ کے نزدیک مومن ہونے کے لئے اعتقاد اور اقرار ضروری تھا۔ یعنی آدمی اسلام کا عقیدہ رکھتا ہو اور اس کا اقرار کرتا ہو۔ کرامیہ کہتے تھے کہ فقط اقرار کافی ہے۔ عقیدہ کی بھی ضرورت نہیں۔ جو لا الہ الا اللہ کہہ کر اقرار کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں تو وہ مومن ہے۔ معتزلہ کی رائے یہ تھی کہ اقرار بھی ضروری ہے، اعتقاد بھی ضروری ہے اور عمل بھی ضروری ہے۔ عمل کو وہ شرط مانتے تھے لیکن لوگوں نے ان کو کافر کہہ کر اسلام ہی سے خارج قرار دے دیا۔ باقی لوگ بشمول امام بخاری ایمان کے ساتھ عمل کو صرف کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری سمجھتے تھے اور امام بخاری کو اس بات پر بڑا ابرام تھا کہ عمل ضروری ہے۔ اس لئے انہوں نے شدومد سے اپنے نقطہ نظر کو ثابت کرنا چاہا ہے۔ مرجئہ اور کرامیہ میں کچھ زیادہ فرق نہیں۔ ان میں سے کرامیہ کا مسلک اس لئے زیادہ عقلی ہے کہ عقیدہ کی کون چھان بین کرسکتا ہے۔ کونسا آلہ ہے جس سے آپ عقیدہ کو ناپ سکتے ہیں۔ لہٰذا ایک شخص جو اقرار کرتا ہے اس کو مان لیجئے۔ درحقیقت آج اسلامی دنیا کے عوام کا، تمام جدید تعلیم یافتہ اور سیاسی لوگوں کا، تمام سیاسی جماعتوں کا مذہب کرامیہ ہی کے مسلک کے مطابق ہے۔ ایمان کو ایک ٹھونٹھ درخت کی طرح مان لیا گیا ہے جس پر عمل

کے برگ و بار آنا لازم نہیں سمجھا جاتا۔

فرقوں کی اس بحث سے ایک کلامی نکتہ بھی پیدا ہو گیا کہ ایمان اگر صرف اقرار کا نام ہے تو اس کے گھٹنے یا بڑھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مرجئہ اسی بات کے قائل تھے اور ایمان کو ایک جامد چیز سمجھتے تھے۔ امام صاحب نے وہ آیات جمع کی ہیں جن کی رو سے ایمان گھٹتا بڑھتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ایمان اور ایک عام مسلمان کے ایمان میں زمین آسمان کا فرق ہے اور یہ بات بھی امر واقعہ ہے کہ ایمان ایک ہی دن میں بھی گھٹتا بڑھتا رہتا ہے۔ آدمی کے اوپر کسی وقت ایسی کمزوری طاری ہو جاتی ہے کہ اس سے ایمان کی دولت چھن جاتی ہے اور کبھی ایسی روشنی نظر آجاتی ہے کہ وہ عظیم استقامت دکھا دیتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساحروں کو دیکھئے کہاں وہ فرعون سے یہ وعدہ لے رہے تھے کہ اگر انہوں نے میدان مار لیا تو ان کو خوب صلہ دیا جائے گا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ ہونے کے بعد ایمان کی راہ کے کتنے مقامات طے کرتے ہوئے کہاں وہ شہادت کے متمنی ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ بھی ایمان کے گھٹنے بڑھنے کے قائل نہیں تھے۔ میرے خیال میں ان کی بات سمجھی نہیں گئی۔ ان کے ہاں جو بحث ہے وہ فقہی ایمان سے ہے۔ حقیقی ایمان سے نہیں۔ ان کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی شہریت کے حقوق طے ہوں گے تو وہ تمام لوگ جو لا الہ الا اللہ کہیں گے ان سب کو مسلمانوں کے رجسٹر میں ہی درج کیا جائے گا۔ ان میں ایمان کی کمی بیشی کا سوال نہیں اٹھایا جائے گا۔ ظاہری ایمان پر ہی سب کے حقوق قائم ہوں گے۔

میرے نزدیک یہ بات بالکل ٹھیک ہے کہ ایمان کم و بیش ہوتا رہتا ہے اور یہ بھی ایک امر واقعہ ہے کہ وہ ایمان ایک ٹونٹھ درخت ہے جس کے ساتھ اعمال نہیں ہیں۔ ایک شخص کلمہ لا الہ الا اللہ کتنی ہی قرات اور کتنے ہی زور سے کہتا ہو لیکن اگر وہ نماز نہیں پڑھتا زکوۃ نہیں دیتا' روزہ نہیں رکھتا' حج نہیں کرتا' پڑوسی کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کے منافق ہونے میں شبہ نہیں۔ وہ یونہی داعی ایمان بنا ہوا ہے۔ عقیدے کا ثبوت صرف عمل سے ملتا ہے۔ جب ایک عقیدے کا اظہار کیا جائے لیکن اس کے تقاضوں کے مطابق عمل نہ کیا جائے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ عقیدے کا اعلان جھوٹ پر مبنی ہے۔ خدا کی میزان میں ایمان کا ایسا اقرار دو کوڑی کا ہے جس کے ساتھ اعمال نہ ہوں۔

اعمال کے بارے میں اتنی گنجائش ضرور ہے کہ اگر کسی شخص سے گناہ ہو جائے اور وہ اس پر توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے تو اس سے اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ اس کا گناہ معاف فرما دے گا۔ لیکن قرآن میں اس بات کی کوئی گنجائش نہیں کہ آدمی گناہ پر گناہ کرتا جائے' اسی پر اپنی زندگی گزار دے اور پھر بھی اللہ تعالیٰ محض اس بنا پر اس سے درگزر کردے کہ اس نے کبھی زبان سے کلمہ ادا کر دیا تھا۔

۷ **حدثنا عبید اللہ بن موسی قال اخبرنا حنظلۃ بن ابی سفیان عن عکرمۃ بن خالد عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ و اقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ و الحج و صوم رمضان۔**

ترجمہ۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام کی تعمیر پانچ بنیادی چیزوں پر ہوئی ہے۔ یہ شہادت کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں' اقامت نماز' ادائے زکوۃ' ادائے حج اور رمضان کے روزے رکھنا۔

وضاحت حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اسلام کے یہ پانچ بنیادی اعمال ہیں۔ ایمان میں اللہ کی توحید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت شامل ہے۔ اس کے بعد ایمان کا اول مظہر نماز ہے جو بندے کو خدا کے ساتھ جوڑتی ہے۔ اس کے بعد زکوۃ کی ادائیگی ہے جو بندے کو دوسرے بندگان خدا کے ساتھ شفقت و رحم کی بنیادوں پر جوڑتی ہے۔ اس کے بعد حج ہے جو ہم کو مرکز اسلام اور ملت ابراہیم جس کے ہم وارث ہوئے ہیں' سے وابستہ کرتا ہے اور پھر رمضان کے روزے ہیں جو تقویٰ کی آبیاری کرتے ہیں۔ دین کی بنیادی چیزیں یہی ہیں۔ یہ دین کے ستون ہیں۔ ان میں سے کوئی ستون بھی گر کر دین کے کسی حصہ کو گرا دیتا ہے۔

اس فہرست میں جہاد کا ذکر نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد ایک وقتی چیز ہے جو حالات کے تابع ہے۔ ضرورت داعی ہو تو جہاد کے لئے اٹھنا ہوتا ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح ہجرت لوازم دین میں سے نہیں ہے۔ اگر کسی وقت کسی جگہ پر آپ کے لئے ایمان کے اوپر قائم رہنا ممکن نہ رہ جائے تو اس سرزمین سے چمٹے رہنا اور اپنے آپ کو کفر میں مبتلا کرنا جائز نہیں۔ تب واجب ہے کہ آپ وہ جگہ چھوڑ کر کسی ایسی جگہ رہیں جہاں ایمان پر قائم رہ سکیں۔ گویا ہجرت ایک عارضہ ہے مستقل چیز نہیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دین کے بنیادی ستون مذکورہ پانچ چیزیں ہیں۔ جہاد اور ہجرت کی اہمیت یہ ہے کہ جب وقت آجائے تو یہ اہم ترین عبادت اور کفر و ایمان کی کسوٹی بن جاتی ہیں۔

اس زمانے میں بعض اناڑی دین باز لوگوں کے ہاں دین کی راہ میں ہجرت اور جہاد ہی پہلا قدم ہے۔ میرے نزدیک چونکہ ہجرت اور جہاد مستقل چیزیں نہیں بلکہ عوارض ہیں' اس لئے بالکل آغاز ہی میں ان کے لئے بیعت لینا خرد باختگی ہے۔

رہا یہ سوال کہ پھر قرآن میں یہ کیوں فرمایا **"ثم لم یرتابوا و جاھدوا باموالھم و انفسھم"** (کہ پھر وہ بالکل مذبذب نہ ہوئے اور اپنے اموال اور جانوں سے جہاد کیا) تو اس آیت میں بحث منافقین کے کردار سے ہے جن کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ اسلام کے دعوے تو بہت کرتے تھے لیکن شکوک میں مبتلا تھے۔ یہ اس زمانے کا معاملہ ہے جب جہاد فرض ہو چکا تھا۔ اور جب جہاد فرض ہو جائے تو اس میں تذبذب اور

کمزوری دکھانا کفر ہے۔ اس صورت میں یہ سب ارکان اسلام سے مقدم اور سب سے بڑا ثواب کا کام بن جاتا ہے۔ لیکن اس کی بہت سی شرطیں ہیں جن کا بیان اپنے مقام پر آئے گا۔

باب ۳۔ امور الایمان و قول اللہ عزوجل لیس البر ان تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من امن باللہ الی قولہ المتقون قد افلح المومنون الایۃ۔

باب ایمان کے امور اور اس ارشاد خداوندی کے بارے میں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری یہ نہیں کہ تم اپنا رخ مشرق کی طرف کرو یا مغرب کی طرف بلکہ وفاداری ان لوگوں کی ہے جو اللہ کے اوپر ایمان لائیں۔ اللہ کے فرشتوں' اس کی کتاب' اس کے نبیوں پر ایمان لائیں' اور اپنے مال محبوب ہونے کے باوجود قرابت داروں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں اور سائلوں کو دیں۔ غلاموں کو آزاد کرانے میں دیں۔ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں۔ اپنا عہد پورا کرنے والے ہوں جبکہ عہد کر بیٹھیں اور ثابت قدمی دکھانے والے ہوں دکھ میں' مصائب میں اور جنگ کے وقت۔ یہ لوگ ہیں جو سچے مومن ہیں اور یہ ہیں جو متقی ہیں۔ اور سورہ مومنون کی ابتدائی آیات کے بارے میں۔

وضاحت۔ یہ باب ایمان کے متعلقات' اس کے لوازم اور مقتضیات کے بارے میں ہے۔ اس میں امام صاحب نے قرآن مجید کے دو مقامات کا حوالہ دے دیا ہے جن میں مومنین کی صفات نہایت جامعیت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ یاد رہے کہ امام صاحب یہاں مرجئہ اور کرامیہ کے خلاف دلائل دے رہے ہیں۔ اس لئے کہ وہ لوگ عمل کو ایمان کے لئے ضروری نہیں مانتے تھے جبکہ امام بخاری اور ان جیسے دوسرے لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ عمل کمال ایمان کے لئے ضروری ہے۔ امام صاحب جو روایات آگے لائیں گے وہ یہ ثابت کرنے کے لئے ہیں کہ ایمان عمل کے اوپر حاوی ہے۔ میرے نزدیک ایمان اور اعمال لازم و ملزوم ہیں۔ عمل صرف کمال ایمان کے لئے ضروری نہیں بلکہ شرط ایمان ہے۔ قرآن مجید نے جابجا ایمان اور عمل صالح کو لازم و ملزوم ہی کی حیثیت سے بیان کیا ہے۔ جہاں تک قانون اور حدود کے نفاذ وغیرہ کا تعلق ہے تو اس میں صرف یہ دیکھا جائے گا کہ کون شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے۔ اس میں متقی اور بے عمل دونوں برابر متصور ہوں گے۔ یہی مذہب امام ابو حنیفہ کا ہے اور میں اس کو صحیح مانتا ہوں۔

تاہم اسلامی حکومت کو لوگوں کی تربیت بھی کرنا ہوتی ہے اس لئے اس کو حق ہے کہ اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا' روزہ نہیں رکھتا' مال کے باوجود حج نہیں کرتا' زکوۃ نہیں دیتا تو ارکان دین میں کوتاہی کرنے پر اس کو سزا دے۔ حضرت عمرؓ کے متعلق تو یہاں تک آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ جمعہ کی نماز میں دیر سے آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے پوچھ لیا کہ آپ کہاں تھے اور ان کے جواب پر ان کو سرزنش کی۔

۸۔ حدثنا عبداللہ ابن محمد الجعفی قال حدثنا ابو عامر العقدی قال حدثنا سلمان ابن بلال عن عبداللہ بن دینار عن ابی صالح عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال الایمان بضع و ستون شعبۃ والحیاء شعبۃ من الایمان۔

ترجمہ حضرت ابو ہریرہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایمان کے ساٹھ سے زیادہ شعبے ہیں اور حیا بھی ایمان کے شعبوں میں سے ایک شعبہ ہے۔

بضع۔ یہ لفظ دس سے نیچے کے اعداد کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کے معنی میں اختلاف ہے۔ لیکن میرے نزدیک یہ ہے کہ ستر سے قدرے کم اور ساٹھ سے زائد ہو تو بضع و ستون کہیں گے۔ مثلاً تریسٹھ' پینسٹھ' اڑسٹھ وغیرہ۔

وضاحت اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کوئی مفرد چیز نہیں بلکہ بہت جامع ہے۔ اس کے بہت سے تقاضے ہیں۔ دین کے تمام مقتضیات اس کے اندر شامل ہیں۔ ان کو اگر آپ متعین کرنا چاہیں تو اچھی چیز ہے لیکن یہ کام صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کی دین کی حکمت پر گہری نظر ہو۔ پھر اس میں بڑے اختلافات بھی ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء نے ان کو متعین کرنے کی کوشش کی ہے اور ساٹھ کا عدد پورا کر دیا ہے لیکن اس میں کوئی چیز قابل اعتماد اس لئے نہیں کہ ایک چیز کی بہت سی شاخیں ہوتی ہیں۔ وہ الگ الگ شاخیں بھی شمار کی جا سکتی ہیں اور ایک چیز کے اندر بھی گنی جا سکتی ہیں۔ اس لئے یہ سعی مفید نہیں۔ آنحضرتؐ کے فرمانے کا مدعا اتنا سمجھ لیجئے کہ ایمان مفرد نہیں بلکہ ایک مرکب شے ہے۔ اس کے فروع' اس کی شاخیں' اس کے لوازم' اس کے مقتضیات بہت سے ہیں۔ اور ان سب کا مجموعہ دین ہے۔ چاہے وہ اخلاق سے متعلق ہوں جیسے حیا' چاہے وہ عقائد سے متعلق ہوں یا اعمال اور امور سیاست کے متعلق ہوں۔ وہ سب اس کے تحت آجائیں گے۔

=====☆☆☆=====

بقیہ صفحہ ۳۸

مقصد کی راہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہو جائے' اس کی دشمنی پر کمربستہ ہو جائے' اور اللہ کی ہدایت کو قبول کرنے والوں پر ظلم و ستم ڈھائے' اس کو خود انسانوں کی خیر خواہی میں رستہ سے ہٹانے کے لئے اس کے ساتھ جنگ کرنا فی سبیل اللہ کے حکم میں آتا ہے۔ کسی قوم کی تعدی اور زیادتی یا اس کے حملہ کا دفاع کرنے کی غرض سے لڑنے کا جواز قرآن کے پیش کردہ تصور عدل سے مہیا ہوتا ہے۔ اندرون ملک ملی اتحاد قائم رکھنے' متحارب و باغی گروہوں کو مطیع کرنے اور مفسدین کا قلع قمع کرنے کی غرض سے فوج کشی بھی فی سبیل اللہ جنگ کی تعریف میں آتی ہے۔

=====☆☆☆=====

امین احسن اصلاحی

اشیاء کی فروخت کے احکام

(موطا کی کتاب البیوع کی روایات)

باب ما یجوز فی استثناء الثمر

۱۔ حدثنی یحیی عن مالک عن ربیعہ بن عبدالرحمن ان القاسم بن محمد کان یبیع ثمر حائطہ و یستثنی منہ

باغ کے پھل مستثنیٰ کرنے کے باب میں

ترجمہ ـــــ ربیعہ بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ قاسم بن محمد اپنے باغ کا پھل بیچتے تھے اور اس میں سے کچھ درختوں کے پھل مستثنیٰ کر لیتے تھے۔

۲۔ حدثنی عن مالک عن عبداللہ بن ابی بکر ان جدہ عمرو بن حزم باع ثمر حائط لہ یقال لہ الافرق باربعۃ آلاف درھم و استثنی منہ بثمانمائۃ درھم ثمرا۔

ترجمہ ـــــ عبداللہ بن ابی بکر اپنے دادا عمرو بن حزم سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے باغ۔ افرق۔ کے پھل چار ہزار درہم میں فروخت کئے اور اس میں سے آٹھ سو درہم کے پھل مستثنیٰ کر لئے۔

وضاحت۔ ان دونوں روایتوں میں سے کوئی بھی حدیث نہیں۔ یہ روایات صحابہ کرامؓ کے عمل کو بیان کرتی ہیں۔ ان سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ باغ کے مالک کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ باغ فروخت کرتے وقت اس کے بعض درخت یا پھل کی کچھ مقدار اپنے استعمال کے لئے علیحدہ کر لے' جیسا کہ اوپر بیع عریہ کے متعلق بیان ہوا۔ ان روایات کے بعد امام مالکؒ کا یہ فتویٰ بیان ہوا ہے کہ یہ امر ہمارے نزدیک مجمع علیہ ہے کہ

جب کوئی شخص اپنا باغ بیچے تو وہ اس میں سے ایک تہائی مقدار تک اپنے لئے مستثنیٰ کر سکتا ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔

امام مالکؒ جب یہ فرمائیں کہ یہ بات ہمارے نزدیک مجمع علیہ ہے تو اس کا مطلب صرف یہ ہوتا ہے کہ فقہائے مدینہ کا اس امر پر اتفاق ہے۔ اس کو اجماع امت سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

بعض کم علم لوگوں نے اس کو اصطلاحی معنوں میں اجماع تصور کر کے اس پر یہ بحث شروع کر دی ہے کہ شوافع اور احناف اس کو نہیں مانتے۔ حالانکہ یہاں اس بحث کا کوئی موقع نہیں ہے۔

ما یکرہ من بیع الثمر

۱۔ حدثنی یحیی مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم التمر بالتمر مثلا بمثل فقیل لہ ان عاملک علی خیبر یاخذ الصاع بالصاعین۔ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ادعوہ لی فدعی لہ فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اتاخذ الصاع بالصاعین فقال یا رسول اللہ لا یبیعوننی الجنیب بالجمع صاعا بصاع فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا۔

پھل کی فروخت کی مکروہ شکل

ترجمہ ـــــ عطاء بن یسار کہتے ہیں کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ کھجور کے بدلے کھجور برابر خریدیں۔ پوچھا گیا کہ آپ کے عامل جو خیبر پر مقرر ہیں ایک صاع کھجور دو صاع کے بدلے خریدتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس بلاؤ۔ جب وہ بلائے گئے تو رسول اللہ نے پوچھا کہ کیا تم ایک صاع کھجور دو صاع کے بدلے خریدتے ہو۔ اس پر انہوں نے کہا کہ یہ لوگ جنیب کھجور ملے جلے کھجوروں کے بدلے برابر دینے کو تیار نہیں ہوتے تو رسول اللہ نے فرمایا کہ جمع کھجور کو درہموں کے بدلے بیچ دیا کرو اور پھر ان درہموں سے جنیب کھجور خرید لیا کرو۔

۲۔ و حدثنی عن مالک عن عبدالحمید بن سہیل ابن عبدالرحمان بن عوف عن سعید بن المسیب عن ابی سعید الخدری و عن ابی ھریرہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم استعمل رجلا علی خیبر فجاءہ بتمر جنیب فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اکل تمر خیبر ھکذا فقال لا و اللہ یا رسول اللہ انا لناخذ الصاع من ھذا بالصاعین و الصاعین بالثلاثۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم لا تفعل بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا

ترجمہ ـــــ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے ایک شخص کو خیبر پر عامل بنایا۔ وہ جنیب کھجور لایا تو رسول اللہ نے فرمایا کہ کیا خیبر کی ساری کھجوریں ایسی ہوتی ہیں۔ اس نے کہا کہ

نہیں اللہ کی قسم۔ ہم اس کا ایک صاع دو صاع کے بدلے میں اور اس کے دو صاع تین صاع کے بدلے میں لیتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو بلکہ جمع کھجور بیچ کر درہم لیا کرو اور پھر ان درہموں سے جنیب کھجور خریدا کرو۔

٣۔ حدثنی عن مالک عن عبداللہ بن یزید ان زید اباعیاش اخبرہ انہ سال سعد ابن ابی وقاص عن البیضاء بالسلت فقال لہ سعد ایتھما افضل قال البیضاء فنہاہ عن ذالک و قال سعد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یسئل عن اشتراء التمر بالرطب فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اینقص الرطب اذا یبس فقالو انعم فنہی عن ذالک۔

ترجمہ ـــ ابو عیاش زید نے خبر دی کہ انہوں نے سعد بن ابی وقاص سے بیضاء کے سلت کے ساتھ تبادلے کے بارے میں پوچھا۔ سعد نے دریافت کیا کہ ان دونوں میں سے بہتر کون ہے۔ انہوں نے کہا کہ بیضاء تو سعد نے ان کے تبادلہ سے روک دیا اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ سے سنا۔ آپؐ سے پوچھا گیا کہ کیا خشک کھجور تر کھجور کے بدلے میں خریدا جا سکتا ہے تو آپؐ نے دریافت فرمایا کیا تر کھجور خشک ہونے پر کم ہو جاتا ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ ہاں تو آپؐ نے اس سودے سے روک دیا۔

وضاحت:

جنیب۔ نہایت اعلیٰ قسم کی کھجور

جمع۔ عام قسم کی ملی جلی کھجوریں

رطب۔ تر اور تازہ کھجوریں

بیضاء۔ جو کی ایک قسم ہے جس کا چھلکا چکنا ہوتا ہے۔

سلت۔ یہ بھی جو کی ایک قسم ہے جس کا چھلکا سخت ہوتا ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ گندم کی ایک قسم ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ نے کھجور کو کھجور کے عوض فروخت کرنے سے منع فرمایا اور تبادلہ کی یہ صورت تجویز فرمائی کہ کھجور کو فروخت کر کے دام کھرے کئے جائیں اور اس رقم سے دوسری کھجور خرید کی جائے۔ یہی طریقہ دوسری اجناس کے مبادلہ کی صورت میں بھی استعمال ہو گا۔ اسی لئے جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے جو کی قسموں کے مبادلے کی بابت دریافت کیا گیا تو انہوں نے کھجور پر قیاس کر کے اس مبادلہ سے منع فرمایا۔

ان روایات میں بڑا اشکال ہے۔ اول تو بعینہٖ ایک ہی قسم کی جنس کے تبادلے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ آخر ایک شخص ایک قسم کی چیز کا بعینہٖ اسی قسم کی چیز کے ساتھ تبادلہ کیوں کرے گا۔ تبادلہ تو اسی صورت

میں ہو گا جب دونوں قسمیں مختلف ہوں۔ دوسرے جب جنس میں اختلاف موجود ہو تو برابر برابر خرید و فروخت ممکن نہیں۔ اعلیٰ قسم کی کھجور کے عوض اسی مقدار میں گھٹیا کھجور آخر کوئی شخص کیوں قبول کرے گا۔ مثال کے طور پر بیج کی گندم بہت اعلیٰ ہوتی ہے اور عام گندم سے اس کا تبادلہ قرین انصاف بھی نہیں اور معاملے کے لحاظ سے ممکن بھی نہیں۔ یہی حال باستی اور اری چاول کا ہے۔ دونوں اپنی خصوصیات کے لحاظ سے بہت مختلف ہیں اور منڈی میں ان کی قیمتیں الگ الگ ہوتی ہیں۔ عملی زندگی میں یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی شخص باستی چاول کے عوض اری چاول برابر مقدار میں قبول کر لے۔

بعض فقہاء اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ اگر کسی کو نفع اٹھانا ہو تو بیع عقد کے ذریعے سے کرے یعنی باقاعدہ معاملہ کی شکل اختیار کرے۔ اس صورت میں ربا کا فائدہ حاصل ہو جائے تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ میرے نزدیک یہ جواب صحیح نہیں۔ یہ تو حیلہ کی ایک شکل ہوئی جو شیطان کا راستہ ہے اور اگر مسئلہ کا حل نہ نکالا جائے تو زندگی اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ چلنا محال ہو جاتا ہے۔ لہٰذا یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ نبیؐ نے جو حکم دیا ہے اس کی حکمت کیا ہے۔ اس لئے کہ روایت کی تکذیب کی کوئی وجہ نہیں۔

میرے نزدیک آپ کی یہ ہدایت سد ذریعہ کے اصول کے تحت تھی۔ اجناس کے تبادلہ میں مقدار کی کمی بیشی ظاہری طور پر ربا کی ایک قسم نظر آتی ہے۔ شریعت کا یہ اصول ہے کہ جب کسی برائی کا عام رواج ہو اور اس سے بچنا لوگوں کے لئے آسان نہ ہو تو ان تمام چیزوں کو جو اس برائی کا ذریعہ بن سکتی ہیں یا جن میں حرام کا شبہ پایا جائے روک دیا جاتا ہے تاکہ اس برائی کا سدباب ہو جائے اور اس کی نفرت طبیعتوں پر غالب آ جائے۔ اس کی ایک مثال ان برتنوں کے استعمال کی ممانعت ہے جو زمانہ جاہلیت میں شراب بنانے اور پینے کے کام آتے تھے۔ جب شراب کی حرمت کا حکم پوری طرح نافذ ہو گیا تو آپؐ نے دوسرے مقاصد کے لئے ان برتنوں کے استعمال پر سے پابندی اٹھالی۔

باقی رہا مسئلہ کا حل تو اس بارے میں دوسری روایات موجود ہیں جو اس صورت میں اجناس کے تبادلے کا جواز مہیا کرتی ہیں جب سودا اجناس کی موجودگی میں ہو رہا ہو۔ ادھار نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا **لا ربا الا فی النسیئۃ** (سود ادھار کی صورت کے سوا نہیں ہوتا) ظاہر کہ جب معاملہ آمنے سامنے ہو گا تو اس صورت میں تفاضل کی کوئی نہ کوئی بنیاد موجود ہو گی۔ ادھار میں تفاضل کی صورت میں ربا کا شبہ موجود ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک روایت کے الفاظ ہیں **اذا اختلفت الاجناس فبیعوا کیف شئتم** (جب اجناس مختلف ہو جائیں تو جس طرح چاہو ان کا سودا کرو) اس روایت کی رو سے گندم اور چاول کی اعلیٰ و ادنیٰ قسموں میں یا سونے چاندی کے مختلف قیراط ہونے کی صورت میں وزن کی کمی بیشی کے ساتھ سودا جائز ہو گا۔

ماجاء فی المزابنۃ والمحاقلۃ

۱۔ حدثنی یحیی عن مالک عن نافع عن عبداللہ بن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنۃ والمزابنۃ بیع الثمر بالتمر کیلا و بیع الکرم بالزبیب کیلا۔

۲۔ وحدثنی عن مالک عن داود بن الحصین عن ابی سفیان مولی ابن ابی احمد عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ والمزابنۃ اشتراء الثمر بالتمر فی رؤوس النخل والمحاقلۃ کراء الارض بالحنطۃ۔

۱۔ ترجمہ ـــــ عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ سے منع فرمایا۔ مزابنہ یہ ہے کہ کھجور کی بیع تازہ پھل کے ساتھ اور انگور کی بیع منقے کے ساتھ وزن کر کے کی جائے۔

۲۔ ترجمہ ـــــ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع کیا ہے۔ مزابنہ تو یہ ہے کہ خشک کھجور کا سودا اس تازہ کھجور کے عوض کیا جائے جو درخت کے اوپر ہے اور محاقلہ یہ ہے کہ زمین کا کرایہ گندم کو ٹھہرا دیا جائے۔

۳۔ وحدثنی عن مالک عن ابن شہاب عن سعید بن المسیب ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہی عن المزابنۃ والمحاقلۃ والمزابنۃ اشتراء الثمر بالتمر والمحاقلۃ اشتراء الذرع بالحنطۃ واستکراء الارض بالحنطۃ۔

۳۔ ترجمہ ـــــ سعید بن مسیب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزابنہ اور محاقلہ سے منع فرمایا۔ مزابنہ تو خشک کھجور کے بدلے درخت پر لگی تازہ کھجور خریدنا ہے اور محاقلہ کھیتی کو گندم کے بدلے یا زمین کو گندم کے بدلے کرایہ پر لینا ہے۔

وضاحت۔ ان تینوں روایات میں ایک ہی مضمون ہے یعنی یہ کہ تازہ پھل اور خشک پھل کی بیع ایک دوسرے سے جائز نہیں' اس لئے کہ ایک طرف تو ایک معین شے ہے لیکن دوسری طرف غیر معین اور مجہول شے ہے۔ تازہ پھل جو ابھی درخت پر ہے کی مقدار کا صرف اندازہ ہی لگایا جا سکتا ہے۔ پھر وہ آفات سے محفوظ بھی نہیں ہوتا۔ یہی صورت حال انگور اور منقے کے تبادلے میں پیش آتی ہے۔ اس میں بھی بیع مجہول شے کی متعین شے کے ساتھ ہے۔ بیع درست ہونے کے لئے شریعت کا ایک اصول یہ ہے کہ دونوں چیزوں ثمن یا مبیع میں سے ایک بھی مجہول نہ ہو۔ دونوں قطعی طور معین ہوں تاکہ ضرر یا غرر کا امکان نہ رہے۔ یعنی کوئی پارٹی نقصان نہ اٹھائے۔

اگر کیلا کی تمیز خشک اور تر کھجور دونوں کے ساتھ مان لی جائے تب بھی ان دونوں کی بیع جائز نہیں کیونکہ نبی کریمؐ نے خشک اور تر کھجور کے مبادلے سے منع فرمایا ہے۔

یہاں یہ اعتراض پیش کیا جا سکتا ہے کہ پھر بیع عریہ کیسے جائز ہوگی۔ اس میں بھی تو تازہ کھجور کے بدلے خشک کھجور ہی دی جاتی ہے۔ اس مسئلے پر شاہ ولی اللہ کی رائے ٹھیک ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پانچ وسق کی مقدار لوگوں کی ضرورت اور مصلحت کے تحت جائز کر دی گئی ہے۔ ایک شخص جب اپنا باغ بیچ دیتا ہے تو اس کے تازہ پھل کا وہ پھر بھی حاجت مند ہوتا ہے۔ اس کو یہ حق دیا گیا ہے کہ وہ باغ کے تازہ پھل خشک پھل کے بدلے (یا ہری فصل جنس کے عوض) حاصل کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ اس کی مقدار پانچ وسق سے زیادہ نہ ہو۔ یہ مستثنیٰ کر دیا جائے۔ میرے نزدیک یہ جواب ٹھیک ہے' باوجود اس کے کہ بیع کا یہ طریقہ ناجائز ہے لیکن مصلحت کے تحت جائز ہے' شاہ صاحب کے نزدیک اس اجازت میں مصلحت کا لحاظ ہے۔ میرے نزدیک یہ نظریہ ضرورت کے تحت ایک استثنا ہے۔

زمین کے کرائے کے طور پر گندم دینے کا معاملہ بھی جائز نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں غرر ہے۔ معلوم نہیں اس قطعہ زمین میں گندم کتنی پیدا ہوتی ہے۔ ہوتی بھی ہے کہ نہیں۔ یہ صورت معاملہ اس عام اصول کے خلاف ہے جس کے تحت کسی بھی فریق کو ضرر یا غرر نہیں ہونا چاہئے۔

ابن عبدالبر نے اس روایت کو حدیث قرار دیا ہے۔ اس سے اصل مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

قال ابن شہاب فسالت سعید بن المسیب عن استکراء الارض بالذہب والورق فقال لا باس بذالک۔

ترجمہ ـــــ ابن شہاب کہتے ہیں کہ میں نے سعید بن المسیب سے زمین سونے یا چاندی کے بدلے میں کرائے پر لینے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ فقہائے مدینہ کی رائے میں زمین کا کرایہ نقدی کی صورت میں ادا کرنا جائز ہے۔ ہمارے ہاں بعض لوگ بڑے دھوم دھام سے یہ فتویٰ دیتے ہیں کہ زمین کرایہ پر دینا حرام ہے۔ بعضوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ مکان کا کرایہ لینا بھی ناجائز ہے۔ بہرحال مدینہ کے بڑے فقہا کی رائے یہی ہے کہ زمین کرائے پر لی جا سکتی ہے۔ اس میں جو قباحت ہے تو اس کا حل' جیسا کہ میں گذشتہ ابواب میں بتا چکا ہوں' یہ ہے کہ زمین ایک سال کے لئے نہیں بلکہ دو تین سال کے لئے دی جائے تاکہ اگر ایک سال فصل کم آئے تو دوسرے یا تیسرے سالوں میں اس کی تلافی ہو سکے۔ نیز اگر کسی آفت سے کرایہ دار کا نقصان ایک تہائی قیمت سے زیادہ ہو جائے تو مالک اس کی بھی تلافی کر دے۔

بیع الذہب بالفضۃ تبرا و عینا

۱ حدثنی یحیی عن مالک عن یحیی بن سعید انہ قال امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم!

لسعدین ان یبیعا انیۃ من المغانم من ذھب او فضۃ فباعا کل ثلاثۃ باربعۃ عینا او کل ار
بعۃ بثلاثۃ عینا فقال لھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اربیتما فردا۔

سونے کی بیع چاندی سے خواہ وہ ٹکڑوں کی شکل میں ہو یا نقدی کی صورت میں۔

ا۔ ترجمہ یحییٰ بن سعید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سعدین (یعنی سعد بن ابی وقاص اور سعد بن عبادہ) کو حکم دیا کہ غنیمتوں سے چاندی کے جو برتن ملے ہیں ان کو بیچ دو۔ انہوں نے تین کو چار مثقال میں یا چار کو تین مثقال میں بیچ دیا۔ آپ نے فرمایا یہ تو تم نے ربا کا کام کیا ہے۔ چنانچہ دونوں نے سودا لوٹا دیا۔

۲ **حدثنی عن مالک عن موسی بن ابی تمیم عن ابی الحباب سعد بن یسار عن ابی ھریرۃ ا**
ن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الدینار بالدینار و الدرھم بالدرھم لا فضل بینھما۔

ترجمہ ـــــ ابو ھریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دینار کے بدلے دینار ہے اور درھم کے بدلے درھم۔ دونوں کے درمیان کمی بیشی نہ ہونی چاہیے۔

۳ **حدثنی عن مالک عن نافع عن ابی سعید الخدری ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قا**
ل لا تبیعوا الذھب بالذھب الا مثلا بمثل و لا تشفوا بعضھا علی بعض و لا تبیعوا الورق بالو
رق الا مثلا بمثل و لا تشفوا بعضھا علی بعض و لا تبیعوا منھا شیئا غائبا بناجز۔

ترجمہ ـــــ ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سونا سونے کے بدلے نہ بیچو مگر برابر برابر اور ایک کو دوسرے پر ذرا برابر بھی زیادہ نہ کرو۔ اور چاندی کو چاندی کے بدلے نہ بیچو مگر برابر اور ایک کو دوسرے پر ذرا بھی زیادہ نہ کرو اور ان سے کسی غائب چیز کو نقد کے عوض نہ بیچو۔

۴ **حدثنی عن مالک عن حمید بن قیس المکی عن مجاھد انہ قال کنت مع عبد اللہ بن عمر**
فجاءہ صائغ فقال لہ یا ابا عبد الرحمن انی اصوغ الذھب ثم ابیع الشی من ذالک باکثر من وز
نہ فاستفضل من ذالک قدر عمل یدی فنھاہ عبد اللہ عن ذالک فجعل الصائغ یردد علیہ ا
لمسئلۃ و عبد اللہ ینھاہ حتی انتھی الی باب المسجد او الی دابۃ یرید ان یرکبھا ثم قال عبد ا
للہ بن عمر الدینار بالدینار و الدرھم بالدرھم لا فضل بینھما ھذا عھد نبینا الینا و عھدنا ا
لیکم۔

ترجمہ ـــــ مجاھد کہتے ہیں کہ میں عبد اللہ بن عمرؓ کے ساتھ تھا کہ ایک سنار آیا۔ اس نے بڑے ادب سے کہا کہ اے ابو عبد الرحمٰن (یہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی کنیت ہے) میں سونے کے زیور

بنا تا ہوں اور اس میں سے کوئی چیز سونے کے اصل وزن سے زیادہ پر بیچ دیتا ہوں۔ اس طرح میں اپنی محنت کے بقدر اس سے بچا لیتا ہوں۔ عبد اللہ بن عمر نے اس کو ایسا کرنے سے منع کیا۔ سنار لگا اپنا سوال دہرانے لیکن عبد اللہ بن عمرؓ برابر انکار کرتے رہے یہاں تک کہ مسجد کے دروازے تک یا اپنی سواری تک سوار ہونے کے لئے پہنچ گئے۔ پھر حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ دینار کے بدلے دینار اور درھم کے بدلے درھم ہے۔ ان کے درمیان کوئی تفاضل نہیں۔ یہ ہمارے نبیؐ کا ہم سے اور ہمارا تم سے عہد ہے۔

۵ **و حدثنی عن مالک انہ بلغہ عن جدہ مالک ابن ابی عامر ان عثمان بن عفان قال قال لی**
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تبیعوا الدینار بالدینارین و لا درھم بالدرھمین۔

ترجمہ ـــــ عثمان بن عفان کہتے ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک دینار کو دو دینار اور ایک درھم کو دو درھم کے بدلے نہ بیچو۔

۶ **حدثنی عن مالک عن زید بن اسلم عن عطاء بن یسار ان معاویۃ بن ابی سفیان باع سقا**
یۃ من ذھب او ورق باکثر من وزنھا فقال ابو الدرداء سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ینھی عن مثل ھذا الا مثلا بمثل فقال لہ معاویۃ ما اری بمثل ھذا باسا فقال ابو الدرداء من یعذ
رنی من معاویۃ انا اخبرہ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و یخبرنی عن رایہ لا اساکنک با
رض انت بھا ثم قدم ابو الدرداء علی عمر بن الخطاب فذکر ذالک لہ فکتب عمر بن الخطاب ا
لی معاویۃ ان لا تبیع ذالک الا مثلا بمثل وزنا بوزن۔

ترجمہ ـــــ زید بن اسلم اور عطا بن یسار سے روایت ہے کہ معاویہ بن ابو سفیانؓ نے سونے یا چاندی کا ایک پیالہ اس کے اپنے وزن سے زیادہ کے عوض بیچا۔ ابو الدرداؓ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ آپ اس طرح کی بیع سے منع فرماتے تھے مگر برابر برابر پر۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ میں اس میں کوئی قباحت نہیں دیکھتا۔ ابو الدرداءؓ نے کہا معاویہؓ سے کون میری جان چھڑائے گا۔ میں اس شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سناتا ہوں اور یہ مجھے اپنی رائے بتاتا ہے۔ میں تو تمہارے ساتھ اس زمین پر رہنے کا نہیں جس زمین پر تم رہتے ہو۔ پھر حضرت ابو الدرداؓ حضرت عمرؓ بن خطاب کے پاس آئے اور ان سے ذکر کیا تو انہوں نے حضرت معاویہؓ کو لکھ بھیجا کہ ان چیزوں کو برابر برابر ہی ہم وزن بیچو۔

۷ **حدثنی عن مالک عن نافع عن عبد اللہ بن عمر ان عمر بن الخطاب قال لا تبیعوا الذ**
ھب بالذھب الا مثلا بمثل و لا تشفوا بعضھا علی بعض و لا تبیعوا الورق بالورق الا مثلا

بمثل ولا تشفوا بعضها علی بعض ولا تبیعوا الورق بالذھب احدھما غائب والاخر ناجز و ان استنظرک الی ان یلج بیتہ فلا تنظرہ انی اخاف علیکم الرماء والرماء ھو الربا۔

ترجمہ ــــــ حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو مگر برابر اور ذرا بھی اس سے کم و بیش نہ کرو اور چاندی کو چاندی کے بدلے نہ بیچو مگر برابر اور ذرا بھی کم و بیش نہ کرو اور چاندی کو سونے کے بدلے اس صورت میں نہ بیچو کہ ایک چیز تو غائب ہو اور دوسری موجود ہو اور اگر تم سے کوئی اتنی سی مہلت مانگے کہ غائب چیز کو گھر میں داخل ہو کر لے آئے گا تو اس کی مہلت بھی نہ دو۔ مجھے ڈر ہے کہ تم ربا میں نہ پڑ جاؤ۔

٨ **وحدثنی عن مالک انہ بلغہ عن القاسم بن محمد انہ قال عمر بن الخطاب الدینار بالدینار والدرھم بالدرھم والصاع بالصاع ولا یباع کالی بناجز۔**

ترجمہ ــــــ قاسم بن محمد سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ دینار کے بدلے دینار اور درھم کے بدلے درھم اور صاع کے بدلے صاع بیچو۔ ادھار کے بدلے نقد نہ بیچا جائے۔

٩ **وحدثنی عن مالک عن ابی الزناد انہ سمع سعید بن المسیب یقول لا ربا الا فی ذھب او فضۃ او ما یکال او یوزن بما یوکل او یشرب۔**

ترجمہ ــــــ سعید بن مسیب کا فتویٰ ہے کہ سود نہیں مانا جائے گا مگر سونے یا چاندی میں یا جو چیز ناپی جاتی ہو یا وزن کی جاتی ہو یا کھائی جاتی ہو یا پی جاتی ہو۔

وضاحت۔ مذکورہ روایات میں مرفوع روایات بھی ہیں' تعامل صحابہ کی روایات بھی ہیں اور فتاوی بھی۔ ان میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر ایک ہی جنس کی دو چیزیں ایک دوسرے کے بدلے میں فروخت کی جائیں تو دونوں کی مقدار برابر ہونی ضروری ہے۔ اس میں مقدار مختلف نہ ہونے پائے۔ لہٰذا اگر سونے کا سونے سے' چاندی کا چاندی سے 'ایک دینار کے سکے کا دوسرے دینار کے سکے سے 'ایک درہم کا دوسرے درہم سے' اجناس میں سے ایک جنس کا اسی جنس سے تبادلہ کیا جائے تو اس میں تفاضل جائز نہ ہو گا۔ یعنی ایک سونے کو دوسرے پر اور ایک چاندی کو دوسری چاندی پر فوقیت دے کر مقدار میں کمی بیشی نہ کی جائے گی۔

تبادلہ کی جانے والی اشیا جب ایک ہی جنس سے ہوں تو ان کی مقدار کا برابر ہونا سمجھ میں آتا ہے لیکن ایسے تبادلے کی زندگی میں عام ضرورت سمجھ میں نہیں آتی۔ اگر کبھی کوئی موقع ایسا پیش آ جائے تو ان روایات کی روشنی میں مبادلہ برابر برابری کی بنیاد پر ہو گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سونے یا چاندی کی ایک ہی قسم رہی ہو گی۔ اسی طرح سونے کا سکہ دینار اور چاندی کا سکہ درھم ہوتا تھا۔ آپ نے ان کے آپس میں تبادلہ کی صورت میں تفاضل کو منع فرمایا۔ رہا

سونے یا چاندی کے برتنوں کو برابر برابر فروخت کرنے کا معاملہ تو ان کی نوعیت سادہ برتنوں کی نہیں رہی ہو گی بلکہ چاندی یا سونے کے ٹکڑوں کی رہی ہو گی جس کے باعث آپ نے برابر برابر بیچنے کا حکم دیا اور زائد پر بیچنے کو ربا کہہ کر بیع کو رد فرمایا۔

موجودہ زمانے میں سونے اور چاندی کی کئی اقسام وجود میں آ گئی ہیں مثلاً سونا ٨ قیراط سے لے کر ٢٤ قیراط تک کا ہے۔ ہر ایک قسم کی کوالٹی متعین ہے اور ہر قسم کا بازار کا بھاؤ الگ الگ ہے۔ یہی حال چاندی کا ہے۔ اگر ٢٢ یا ٢٤ قیراط سونے کے تبادلہ کی صورت پیش آ جائے تو ظاہر ہے کہ اس میں تفاضل ربا ہو گا۔ لیکن اگر مختلف قیراط سونے کا تبادلہ مقصود ہو تو ان کو مختلف اجناس کے طور پر لیا جائے گا۔ تو ان پر اس قاعدہ کا اطلاق ہو گا جس کا اوپر حوالہ آ چکا ہے کہ اذا اختلفت الاجناس بیعوا کیف شئتم (جب اجناس مختلف ہوں تو جس طرح چاہو بیچو)

زیورات کا بھی یہی حال ہے۔ ان میں جو کاریگری اور صنعت کی گئی ہے یا اس میں موتی یا ہیرے جڑاؤ کئے گئے ہیں تو میرے نزدیک اس سے ان کی جنس بدل جاتی ہے۔ ان کا عام سونے سے برابر برابر تبادلے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ رہا حضرت عبداللہ بن عمر کا فتوی جس میں انہوں نے سنار کو منع کر دیا کہ وہ اپنی محنت کے بقدر زیادہ وزن پر نہیں بیچ سکتا تو آج کل یہ بھی مسئلہ نہیں رہا کیونکہ نوٹوں سے خریداری ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے سنار کو جس بات سے منع کیا وہ شاید یہ تھی کہ وہ گاہک کے دیئے ہوئے سونے ہی میں سے اپنی مزدوری وضع کر لیتا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ شکل گاہک کے لئے ضرر اور غرر کا باعث ہو سکتی تھی اور اس میں ربا کا شبہ بھی تھا۔ بہرحال حضرت ابن عمر نے اپنے مسلک کے جواز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات نہیں کہی۔ صرف الدینار بالدینار کی روایت ہی کا حوالہ دیا جس کے تحت صنعت یا کاریگری کی صورت از خود شامل نہیں ہو جاتی۔

اسی طرح کا دوسرا واقعہ حضرت امیر معاویہ اور ابوالدردا کا ہے۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنا پیالہ اس کے وزن سے زیادہ پر بیچا تو ابوالدردا کو اس پر اعتراض ہوا اور انہوں نے معاملے کو حضرت عمر بن خطاب کے سامنے پیش کر دیا۔ جنہوں نے امیر معاویہ کو لکھ بھیجا کہ وہ ایسا نہ کریں۔ اس واقعہ میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ پیالے کی نوعیت کیا تھی۔ وہ سادہ تھا یا جڑاؤ۔ برتنوں پر نہایت نفیس کاریگری بھی عموماً کی جاتی ہے۔ پھر یہ بھی معلوم نہیں کہ حضرت امیر معاویہ نے بیع کو روک لیا یا نہیں۔ غالباً گمان یہی ہے کہ انہوں نے بیع نہیں کیا ہو گا۔ میرے خیال میں حضرت عمر بن خطاب کو پیالے کی صحیح نوعیت معلوم نہیں ہو گی جو انہوں نے یہ حکم صادر فرمایا۔

اس پیالے کے متعلق میرا گمان یہ ہے کہ یہ کافی قیمت کا تھا اور اس میں جڑاؤ چیزیں لگی ہوئی تھیں۔

میرے اصول کے مطابق وہ ایک دوسری جنس تھا جس کو حضرت معاویہ بازار کی قیمت پر بیچ سکتے تھے۔ حضرت عمر نے اصولی حکم بیان کردیا۔ عین ممکن ہے کہ ان کو پیالے کی قدر و قیمت کی پوری اطلاع نہ ہو۔ یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ حضرت عمر اس واقعہ میں کس طرح شامل ہوئے۔ ابوالدرداء کے متعلق تو کہا جاسکتا ہے کہ بس ان کا فتویٰ ہے۔ اس روایت کے متعلق ابن عبدالبر کی تحقیق یہ ہے کہ یہ صرف ایک ہی طریقے سے مروی ہے اس لئے تمام پہلو واضح نہیں ہوتے جو روایت کو سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ حضرت عمر کے ساتھ اس کا تعلق کچھ خلاف عقل معلوم ہوتا ہے۔

دوسرا مسئلہ جو ان روایات سے سامنے آتا ہے وہ ایسے سودے کی ممانعت ہے جس میں تبادلہ کی جانے والی ایک شے سامنے موجود نہ ہو یا اسکا ادھار کیا جا رہا ہو۔ حضرت عمر نے یہاں تک فرمایا کہ اگر ایک فریق یہ کہے کہ میں ابھی گھر جاکر دام لے آتا ہوں تب بھی اس کو مہلت نہ دو۔ مجھے ربا کا اندیشہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہدایت احتیاطی تدبیر کے لئے ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ یہ سود ہے بلکہ اس اندیشہ کا اظہار فرمایا کہ اس ڈھیل سے تم سود میں نہ پڑ جاؤ۔ یہ سب روایات احتیاط کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔ ایسے احکام کا مزاج تشدد کا ہوتا ہے تاکہ لوگوں میں ڈھیل پیدا نہ ہو۔

آخری روایت میں سعید بن مسیب کا فتویٰ ہے کہ سود کا اطلاق صرف سونے ' چاندی ' ناپی جانے والی چیزوں ' تولی جانے والی چیزوں ' کھائی جانے والی چیزوں اور پی جانے والی چیزوں پر ہوتا ہے۔

یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا سود کا تعلق صرف انہی چھ چیزوں سے ہے بقیہ تمام چیزوں میں آزادانہ لین دین جائز ہے۔ اس صورت میں ضروری ہوتا ہے کہ سب میں قدر مشترک تلاش کی جائے۔ وہ علت معلوم کی جائے جو ان چھ چیزوں میں ربا کی پائی جاتی ہو۔ اہل ظاہر کا مذہب یہ ہے کہ ربا صرف انہی چھ چیزوں میں ہے اوروں میں نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں ناپا تولا جانا علت ہے اور یہ علت جس چیز میں پائی جائے گی اس میں ربا پایا جائے گا۔ بعض کہتے کہ ثمنیت علت مشترک ہے۔ میرے نزدیک جامع تعبیر یہ ہے کہ ہر وہ چیز اس میں آئے گی جو مبادلہ کی حیثیت رکھتی ہو یا مبادلے کا کام دے سکتی ہو۔ اس لئے کہ ربا جب بھی پیدا ہوگا مبادلے کی چیز میں ہوگا۔ لہٰذا اس میں یہ لحاظ رکھنا چاہئے کہ مبادلہ کی صورت میں تفاضل نہ ہو۔ معاملہ نسیہ (ادھار) نہ ہو اور مقدار میں کمی بیشی نہ ہو۔

ترتیب سعید احمد

=====☆☆☆=====

اسالیب قرآن

خالد مسعود

اعتراض

(عبارت میں جملہ معترضہ کا داخل ہونا)

مسلسل مربوط کلام کے درمیان میں فصل واقع ہو جانے کا ایک سبب اس میں جملہ معترضہ کا داخل ہو جانا ہے۔ بات کرنے والا کبھی کبھی اس چیز کی ضرورت محسوس کرتا ہے کہ وہ اپنی بات روک کر کسی دوسرے امر پر مخاطب کو متوجہ کرے اور پھر اپنی اصل بات کو مکمل کرے۔ بیچ کے اس اضافے کے بغیر بھی اس کا کلام معنوی طور پر مکمل ہوتا ہے اور مدعا اس اضافے کے بغیر بھی پورا ہو رہا ہوتا ہے۔ اس اضافہ کو اعتراض کا نام دیا جاتا ہے اور سلسلہ کلام کے بیچ میں داخل ہونے والے ایسے جملہ کو جملہ معترضہ کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ اسلوب بکثرت استعمال ہوا ہے۔

معترضہ عبارت کبھی تو صرف ایک لفظ پر مشتمل ہوتی ہے ' کبھی مکمل جملے پر اور کہیں کہیں طویل عبارتیں بھی اسی اسلوب کے تحت آئی ہیں۔ یہ اسلوب ایسے مقامات پر استعمال ہوتا ہے جہاں ماقبل کلام کا تقاضا ہوتا ہے کہ متکلم بر سر موقع کسی خاص پہلو کو نمایاں کرے اور اس میں تاخیر بات کی اہمیت کو کم کرنے کا باعث بن سکتی ہو۔ جملہ معترضہ کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں جو موقع و محل پر غور کرنے سے سمجھ میں آجاتے ہیں۔ ذیل میں ہم اسلوب کی وضاحت کے لئے بعض مثالیں پیش کرتے ہیں اور اس مقصد کی نشان دہی بھی کرتے ہیں جس کے لئے جملہ معترضہ عبارت میں داخل کیا گیا ہے:

(ا) تنزیہہ کے لئے:

ویجعلون للہ البنات سبحنہ ولھم مایشتھون (النحل ۵۷)

"اور وہ اللہ کے لئے بیٹیاں ٹھہراتے ہیں ' وہ ان چیزوں سے پاک ہے ' اور ان کے لئے ہے جو وہ چاہیں"

یہاں جملے میں سے 'سبحانہ' کا لفظ نکال لیجئے تو باقی رہ جانے والا جملہ ہر اعتبار سے ایک مکمل کلام ہے جس کا

مفہوم یہ ہے کہ مشرکین اللہ کے لئے بیٹیاں مانتے ہیں لیکن ان کی اپنے لئے یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کو بیٹے حاصل ہوں۔ اللہ کی طرف بیٹیوں کی نسبت اس کی اعلیٰ صفات کے انکار کے مترادف ہے۔ اس سے فوری طور پر اظہار برائت اور صفات الٰہی کو اس نسبت سے محفوظ کرنے کے لئے لفظ "سبحانہ" کا اضافہ کیا گیا۔ اس کا مفہوم سلسلہ کلام کے مفہوم سے ہٹ کر ہے یعنی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے ارفع ہے کہ وہ اپنے لئے کوئی اولاد ٹھہرائے۔ اس طرح یہ جملہ معترضہ تنزیہہ کا فائدہ دے رہا ہے۔

(ب) شرط کے لئے:

لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ امنین (الفتح ۲۷)

"بے شک اللہ نے چاہا تو تم مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے امن کے ساتھ"

یہاں بھی اصل کلام "انشاء اللہ" کے اضافہ کے بغیر مکمل ہے یعنی تم ضرور بلا خوف و خطر مسجد حرام میں داخل ہو گے۔ یہ معترضہ الفاظ اس وضاحت کے لئے ہیں کہ ہر کامیابی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے ساتھ مشروط ہے۔ جب اللہ کے چاہنے کی شرط پوری ہو گی تو یہ داخلہ ممکن ہو جائے گا۔

(ج) عظمت و اہمیت کو اجاگر کرنے کے لئے:

فلا اقسم بموا قع النجوم و انہ لقسم لو تعلمون عظیم انہ لقرآن کریم (الواقعہ ۷۵۔۷۷)

"پس نہیں، میں قسم کھاتا ہوں ستاروں کے گرنے کے ٹھکانوں کی! اور بے شک یہ ایک بہت بڑی قسم ہے اگر تم جانو! بے شک یہ ایک باعزت قرآن ہے۔"

یہاں پہلا جملہ **فلا اقسم بموا قع النجوم** قسم پر مشتمل ہے جس کا مقسم علیہ تیسرا جملہ **انہ لقرآن کریم** ہے۔ مواقع النجوم یعنی ستاروں کے ٹوٹنے کے مقامات سے نظام کائنات میں جنات و شیاطین پر سنگ باری کی جاتی ہے تاکہ وہ قدوسیوں کے مقامات تک رسائی حاصل نہ کر سکیں۔ یہ انتظام اس قدر موثر ہے کہ کوئی شیطان ان علاقوں میں قدم رکھنے کی جرات نہیں کر سکتا جہاں اس کی آمدو شد پر پہرہ بٹھایا گیا ہے۔ قرآن مجید کے نزول کے زمانے میں اس انتظام میں مزید شدت آگئی اور قرآن مجید کسی شیطانی تصرف کے بغیر رسول اللہ تک پہنچایا گیا۔ لہٰذا اس کی محفوظیت میں کوئی کلام نہیں ہے۔ چونکہ قسم کے الفاظ سے نظام کائنات کے اس اہم راز سے پردہ اٹھایا گیا ہے اس لئے جملہ معترضہ میں اس کی اہمیت و عظمت کو اجاگر کیا تاکہ مخاطب اس قسم پر سے سرسری طور پر نہ گزر جائے۔ عام حالات میں قسم اور مقسم علیہ ساتھ ساتھ آتے ہیں۔

غور کیجئے تو اس جملہ معترضہ کے اندر **"لو تعلمون"** کے الفاظ خود ایک جملہ معترضہ ہیں جس نے صفت اور موصوف میں فصل پیدا کر دیا ہے۔ یہ بھی شرط کا فائدہ دے رہے ہیں۔

(د) تائید حاصل کرنے کے لئے:

۱۔ **قالو اتاللہ لقد علمتم ماجئنا لنفسد فی الارض** (یوسف ۷۳)

"خدا کی قسم! آپ لوگ جانتے ہیں کہ ہم اس ملک میں اس لئے نہیں آئے کہ فساد برپا کریں"

یہاں **لقد علمتم** کے الفاظ جملہ معترضہ کی نوعیت کے ہیں۔ اصل کلام ان کے بغیر مکمل ہے۔ اس اضافہ سے برادران یوسف اپنی بات کی تائید حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو بات ہم حلفاً کہہ رہے ہیں تم اس کو اپنی معلومات کے مطابق بھی خوب سمجھتے ہو۔

۲۔ **و ما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون بالبینت و الزبر** (النحل ۴۳)

"اور ہم نے تم سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو دلائل اور کتابوں کے ساتھ رسول بنا کر بھیجا جن کی طرف ہم وحی کرتے رہے۔ تو اہل علم سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے۔"

یہاں **فاسئلوا تا تعلمون** جملہ معترضہ ہے۔ اس کے بعد سلسلہ کلام پہلے حصہ سے مربوط ہو گیا ہے۔ فرمایا کہ رسولوں کے بارے میں سنت الٰہی ہمیشہ سے یہ رہی ہے کہ رسالت کے منصب پر انسانوں میں سے آدمی ہی فائز کئے گئے اور ان کو نشانیاں اور صحیفے عطا کئے گئے۔ اس سنت الٰہی کے بارے میں اگر تم بے خبر ہو تو اہل کتاب سے پوچھ لو۔ وہ اس کی تائید کریں گے کیونکہ ان کی پوری تاریخ اس پر گواہ ہے۔

(ہ) تسلی کے لئے:

۱۔ **و الذین امنوا و عملوا الصلحت لا نکلف نفسا الا وسعھا اولئک اصحاب الجنۃ** (اعراف ۴۲)

"اور جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک کام کئے ۔۔۔ ہم کسی جان پر اس کی استطاعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے ۔۔۔ وہی جنت والے ہیں۔"

یہاں جملہ معترضہ **لا نکلف نفسا الا وسعھا** پر مشتمل ہے جس کا مقصد مسلمانوں کو اس بات کی تسلی دینا ہے کہ ایمان و عمل صالح کا بوجھ کوئی ایسا بوجھ نہیں جس کا اٹھانا انسان کی طاقت سے باہر ہو۔ اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی طاقت کے مطابق ہی ڈالی ہے۔

۲۔ **ان الذین امنوا و عملوا الصلحت انا لا نضیع اجر من احسن عملا اولئک لھم جنت عدن** (کہف ۳۰۔۳۱)

"بے شک جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کئے۔ تو ہم خوب کاروں کے اجر کو ضائع نہیں کریں گے۔ ان کے لئے ہیشگی کے باغ ہوں گے۔"

یہاں بھی سلسلہ کلام کو روک کر جملہ معترضہ میں تسلی کا مضمون شامل کیا ہے کہ ایمان و عمل صالح کی راہ اختیار کرنیوالے پورے اعتماد سے اپنی روش پر قائم رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے اعمال والوں کی محنت کا ثمرہ ضائع نہیں ہونے دے گا۔

(و) اظہار تعجب کے لئے:

واتخذ قوم موسی من بعدہ من حلیھم عجلا جسدا لہ خوار الم یروا انہ لا یکلمھم ولا یھدیھم سبیلا اتخذوہ و کانوا ظلمین (الاعراف ۱۴۸)

"اور موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنالیا' ایک دھڑ جس سے بھاں بھاں کی آواز نکلتی تھی ــــ کیا انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ نہ وہ ان سے بات کر سکتا ہے اور نہ ان کو کوئی راہ دکھا سکتا ہے ــــ اس کو وہ بنا بیٹھے اور وہ اپنے اوپر بڑا ظلم ڈھانے والے تھے۔"

یہاں **الم یروا انا سبیلا** جملہ معترضہ ہے جس کا مقصد فوری اظہار تعجب و حسرت ہے کہ جس قوم پر خدا کی اس قدر افضال و عنایات تھیں وہ اتنی سی بات سمجھنے سے بھی قاصر رہی کہ جو چیز نہ بات کرنے پر قادر نہ رہنمائی دے سکتی' اس کی پرستش کا ان کو کیا فائدہ ہو سکتا تھا۔

(ز) استثناء کے لئے:

کیف یکون للمشرکین عھد عند اللہ و عند رسولہ الا الذین عھدتم عند المسجد الحرام فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم ان اللہ یحب المتقین کیف و ان یظھروا علیکم لا یرقبوا فیکم الا و لا ذمۃ (توبہ ۷-۸)

"مشرکین کے کسی عہد کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول پر کس طرح باقی رہ سکتی ہے ــــ ہاں جن سے تم نے مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے تو جب تک وہ قائم رہیں تم بھی ان کے لئے معاہدے پر قائم رہو' اللہ نقض عہد سے بچنے والوں کو دوست رکھتا ہے ــــ کس طرح باقی رہ سکتی ہے جب کہ حال یہ ہے کہ اگر وہ کہیں تمہیں دبا پائیں تو نہ تمہارے بارے میں کسی قرابت کا پاس کریں نہ عہد کا۔"

یہاں **الا الذین** سے لے کر **یحب المتقین** تک جملہ معترضہ ہے۔ آگے کا کلام معترضہ سے پہلے کے کلام کے ساتھ مربوط ہے۔ جملہ معترضہ کا فائدہ کلام سے استثناء کا ہے۔ فرمایا ہے کہ مشرکین کے عہد و پیمان کی ذمہ داری اہل ایمان پر کیسے ہو سکتی ہے جب کہ ان کا زور جب چلتا ہے تو کسی قرابت یا عہد کا پاس نہیں کرتے۔ ہاں قریش سے تم نے جو عہد مسجد حرام کے پاس کیا وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ جب تک قریش اس کو نبھائیں اس وقت تک تم بھی اس کا احترام کرو۔

آگے آیت ۱۲ میں **انھم لا ایمان لھم** کے الفاظ بھی جملہ معترضہ ہیں۔

(ح) رفع شک کے لئے:

۱۔ **واتبعوا ما تتلوا الشیطین علی ملک سلیمن و ما کفر سلیمن و لکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر و ما انزل علی الملکین ببابل ھاروت و ماروت** (بقرہ ۱۰۲)

"اور ان چیزوں کے پیچھے پڑ گئے جو سلیمان کے عہد حکومت میں شیاطین پڑھتے پڑھاتے تھے ــــ حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا بلکہ شیطانوں ہی نے کفر کیا۔ یہی لوگوں کو جادو سکھاتے تھے ــــ اور اس چیز میں پڑ گئے جو بابل میں دو فرشتوں' ہاروت اور ماروت' پر اتاری گئی تھی۔"

اس مقام پر **و ما کفر** سے لے کر **السحر** تک جملہ معترضہ ہے۔ آیت میں یہ بتایا ہے کہ یہود کو وحی کی تعلیم سے رغبت نہ تھی۔ اس کی بجائے حضرت سلیمان کے عہد کے جادو کے شیطانی علم سے دلچسپی رکھتے تھے یا پھر اسی جیسے اثرات کی حامل اس تعلیم سے جو ہاروت اور ماروت دو فرشتے بابل میں دیا کرتے تھے۔ اس کلام سے یہ شبہ پیدا ہوتا تھا کہ شائد حضرت سلیمان جادو کی اشاعت میں آلہ کار بنے تھے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے بر سر موقع جملہ معترضہ میں یہ وضاحت کر دی کہ اس کفر کی اشاعت میں حضرت سلیمان کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ یہ جال شیطانوں ہی کا بچھایا ہوا تھا۔

۲۔ **و اذا بدلنا ایۃ مکان ایۃ و اللہ اعلم بما ینزل قالوا انما انت مفتر** (نحل ۱۰۱)

"اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بھیجتے ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ وہ اتارتا ہے ــــ تو یہ کہتے ہیں کہ تم تو اپنے جی سے گھڑ لینے والے ہو۔"

یہاں **و اللہ اعلم بما ینزل** جملہ معترضہ ہے۔ اس سے قبل یہود کی اس وسوسہ اندازی کا حوالہ ہے کہ وہ پچھلی شریعت کی جگہ لینے والے قرآن کے نئے احکام کو اعتراض کا نشانہ بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کا من گھڑت کام ہے۔ اس شبہ کو رفع کرنے کے لئے معترضہ میں یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا احکام شریعت میں تبدیلی فرمانا بلا مقصد نہیں ہوتا بلکہ گہری حکمت و مصلحت پر مبنی ہوتا ہے۔

(ط) تنبیہہ کے لئے:

۱۔ **فسبحن اللہ حین تمسون و حین تصبحون و لہ الحمد فی السموت و الارض و عشیا و حین تظھرون** (الروم ۱۷-۱۸)

"پس اللہ ہی کی تسبیح کرو جس وقت تم شام کرتے اور جس وقت صبح کرتے ہو ــــ اور آسمانوں اور زمین میں اسی کی حمد ہو رہی ہے ــــ اور عشاء کے وقت بھی اور اس وقت بھی جب تم ظہر کرتے ہو۔"

ان آیات میں اصل مضمون اللہ تعالیٰ کی تسبیح کے حکم پر مشتمل ہے جس کے اوقات کا تعین بھی کیا گیا ہے۔ بیچ میں **و لہ الحمد** سے لے کر **الارض** تک کے جملہ معترضہ میں تنبیہہ ہے جس کا مقصد یہ بتانا ہے کہ

اگر اس حکم سے گریز کرو گے تو جان رکھو کہ خدا کا انحصار تمہارے اوپر نہیں ہے 'اس کی حمد کا ترانہ تو آسمان و زمین کے گوشے گوشے میں گونج رہا ہے۔

۲۔ **ذلک عیسی ابن مریم قول الحق الذی فیہ یمترون ما کان للہ ان یتخذ من ولد سبحنہ اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون و ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ھذا صراط مستقیم** (مریم ۳۴۔۳۶)

"یہ ہیں عیسیٰ ابن مریم ۔۔۔ یہ اصل حقیقت بیان ہوئی ہے جس میں یہ لوگ جھگڑ رہے ہیں۔ خدا کے شایان نہیں کہ وہ کوئی اولاد بنائے۔ وہ پاک ہے۔ جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اس کو فرماتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے ۔۔۔ اور بے شک اللہ ہی میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی تو اسی کی بندگی کرو۔ یہی سیدھی راہ ہے۔"

ان آیات سے پہلے حضرت عیسیٰ کی زبان سے ان کا وہ اعلان ذکر کیا ہے جو انہوں نے اپنی حیثیت کی وضاحت کے لئے دور طفلی میں کیا تھا۔ انہی کے کلام کا سلسلہ **و ان اللہ ربی** سے لے کر **مستقیم** تک کی آیت میں جاری ہے۔ اس سلسلہ کو توڑ کر اوپر کی ابتدائی دو آیات میں بر محل یہ تنبیہہ کی گئی ہے کہ یہ تھی حضرت مسیح کی اصل حیثیت جس کو نصاریٰ نے افسانہ بنا کر کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ یہ آیات جملہ معترضہ ہیں۔

۳۔ **سیقولون ثلثۃ رابعھم کلبھم و یقولون خمسۃ سادسھم کلبھم رجما بالغیب و یقولون سبعۃ و ثامنھم کلبھم قل ربی اعلم بعدتھم ما یعلمھم الا قلیل فلا تمار فیھم الا مراء ظاھرا و لا تستفت منھم احدا** (الکہف ۲۲)

"اب یہ کہیں گے یہ تین تھے 'ان کا چوتھا ان کا کتا تھا۔ اور کہیں گے یہ پانچ تھے ان کا چھٹا ان کا کتا تھا' بالکل اٹکل پچو! اور کہیں گے یہ سات تھے اور ان کا آٹھواں ان کا کتا تھا۔ کہہ دو میرا رب ہی ان کی تعداد کو خوب جانتا ہے۔ ان کو بس تھوڑے ہی لوگ جانتے ہیں اور تم ان کے باب میں نہ بحث کرو مگر ٹالنے کے انداز میں اور ان کے باب میں ان میں سے کسی سے نہ پوچھو۔"

یہاں قل سے شروع ہونے والے جملہ معترضہ میں نبیؐ کو یہ تنبیہہ کی گئی ہے کہ معترضین کو اصحاب کہف کی حقیقت کے واضح ہو جانے اور اس سے سبق حاصل کرنے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ یہ اب ان کی تعداد میں اختلاف کو زیر بحث لائیں گے۔ یاد رکھو کہ اس طرح یہ تمہیں بحث و مناظرہ میں الجھانا چاہتے ہیں۔ تم یہ غلطی نہ کرنا بلکہ سرسری طور پر جواب دے کر بات کو ٹال دینا۔

۴۔ ایک طویل معترضہ عبارت سورۃ اعراف میں وارد حضرت موسیٰ کے قصہ میں ہے۔ ان کی تاریخ بیان کرتے ہوئے جب یہ تذکرہ آتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ستر بزرگوں کی موجودگی میں حضرت موسیٰ سے یہ وعدہ

کیا گیا کہ اللہ کی رحمت ان بنی اسرائیل کے شامل حال رہے گی جو تقویٰ کی روش اختیار کریں گے 'زکوۃ دیں گے اور اللہ کے احکام پر ایمان کے تقاضے پورے کریں گے تو اس موقع پر بنی اسرائیل کی تنبیہہ کے لئے آیت نمبر ۱۵۷ میں فرمایا کہ آج نزول قرآن کے زمانہ میں اس کردار کے مصداق وہ لوگ ہیں جو نبی امیؐ پر ایمان لا رہے ہیں اور ان کی مدد و نصرت کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ آیت نمبر ۱۵۸ میں نبیؐ کی زبان سے باقاعدہ اعلان کرایا گیا ہے کہ میرے اوپر ایمان لاؤ اور میری اتباع کرو تاکہ ہدایت پاؤ۔ ان معترضہ آیات کے بعد سلسلہ کلام پھر جڑ گیا ہے۔

(ی) تردید کے لئے:

۱۔ **و جعلوا للہ شرکاء الجن و خلقھم و خرقوا لہ بنین و بنت بغیر علم** (الانعام ۱۰۰)

"اور انہوں نے جنوں میں سے خدا کے شریک ٹھہرائے ۔۔۔ حالانکہ خدا ہی نے ان کو پیدا کیا ۔۔۔ اور اس کے لئے بے سند بیٹے اور بیٹیاں تراشیں۔"

یہاں "**و خلقھم**" معترضہ ہے۔ مشرکین کا خدائی میں جنوں کو شریک کرنے کا دعویٰ اتنا گھناؤنا تھا کہ بات مکمل ہونے سے پہلے ہی اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ خدا نے تو جنات کو خود پیدا کیا۔ اس میں تردید کے ساتھ یہ دلیل بھی پنہاں ہے کہ مخلوق خالق کے ہم پلہ کیسے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا یہ دعویٰ نہایت احمقانہ ہے۔

۲۔ **فبما نقضھم میثاقھم و کفرھم بایت اللہ و قتلھم الانبیاء بغیر حق و قولھم قلوبنا غلف بل طبع اللہ علیھا بکفرھم فلا یؤمنون الا قلیلا و بکفرھم و قولھم علی مریم بھتانا عظیما و قولھم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ و ما قتلوہ و ما صلبوہ و لکن شبہ لھم و ان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ ما لھم بہ من علم الا اتباع الظن و ما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ و کان اللہ عزیزا حکیما** (النساء ۱۵۵۔۱۵۸)

"پس بوجہ اس کے کہ انہوں نے اپنے عہد کو توڑا 'بوجہ اس کے کہ انہوں نے اللہ کی آیات کا انکار کیا' بوجہ اس کے کہ انہوں نے انبیاء کو ناحق قتل کیا اور بوجہ اس کے کہ انہوں نے کہا کہ ہمارے دل تو بند ہیں ۔۔۔ بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے تو وہ کم ہی ایمان لائیں گے ۔۔۔ اور بوجہ ان کے کفر کے اور بوجہ ان کے مریم پر ایک بہتان عظیم لگانے اور بہ سبب ان کے اس دعوے کے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو قتل کیا ۔۔۔ حالانکہ نہ تو انہوں نے اس کو قتل کیا' نہ سولی دی بلکہ معاملہ ان کے لئے گھپلا کر دیا گیا اور جو لوگ اس کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں وہ اس کے معاملے میں شک میں پڑے ہوئے ہیں 'ان کو اس بارے میں کوئی قطعی علم نہیں۔ بس گمان کی پیروی کر رہے ہیں۔ قتل اس کو انہوں نے ہرگز نہیں کیا بلکہ اللہ نے اس کو اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔"

اس عبارت میں یہود کے جرائم کی فہرست کے بیچ میں دو مواقع پر جملہ معترضہ کے ذریعے ان کے نقطہ نظر کی برسر موقع تردید کی گئی ہے۔ جب ان کے اس متکبرانہ قول کا ذکر آیا کہ ہمارے دل تو محفوظ ہیں' ان کے اندر کوئی غلط بات کیسے داخل ہو سکتی ہے تو فوری تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ اصل سبب یہ نہیں بلکہ خدا نے ان کے دلوں پر مہر کر رکھی ہے اس لئے کوئی حق بات ان میں اتر ہی نہیں سکتی۔ پھر جب ان کے اس دعویٰ کا ذکر آیا کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ بن مریم کو قتل کیا تو فوری تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دعویٰ بالکل بے بنیاد ہے۔ قتل یا سولی کا وہ واقعہ جس نے ان کے ہاں شہرت پا رکھی ہے کہیں پیش نہیں آیا۔ یہ ایک فرضی افسانہ ہے۔ اس کے صحیح ہونے کی کوئی دلیل یہود کے پاس نہیں ہے۔ اللہ نے تو اپنے رسول کو اٹھالیا تھا۔ اس کے بعد پھر کلام ماقبل سے جڑ گیا ہے۔

جملہ معترضہ کی پہچان میں احتیاط

یہ بات یاد رہے کہ جملہ معترضہ ایک سلسلہ کلام کو توڑ کر آتا ہے لیکن چونکہ یہ اس کلام سے ہٹ کر ایک مفہوم کا حامل ہوتا ہے اس لئے اگر اس کو نکال دیا جائے تب بھی کلام کا در وبست ٹھیک ہوتا اور عبارت مستقیم ہوتی ہے۔ اگر اس کو نکالنے سے عبارت میں خلل واقع ہو جاتا ہو تو یہ جملہ معترضہ نہ ہو گا' اگرچہ شکلاً ایسا نظر آتا ہو۔ مثال کے طور پر ایک مقام پر عبارت یوں آئی ہے

یوم یاتی بعض ایت ربک لاینفع نفسا ایمانھالم تکن امنت من قبل او کسبت فی ایمانھا خیرا (الانعام ۱۵۸)

"جس دن تیرے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ظاہر ہو گی تو کسی ایسے نفس کو اس کا ایمان نفع نہ دے گا جو پہلے سے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں نیکی نہ کمائی ہو۔"

اس آیت میں نفسا موصوف ہے اور **لم تکن** سے لے کر **خیرا** تک کا جملہ اس کی صفت' عام حالات میں صفت اور موصوف متصل ہوتے ہیں' ان میں فصل نہیں ہوتا۔ لیکن یہاں لفظ **ایمانھا** بیچ میں آگیا ہے۔ یہ شکلاً معترضہ کی طرح ہے لیکن جملہ کو اس کے بغیر پڑھئے تو اس کا مفہوم ہی متعین نہیں ہوتا۔ پس یہ معترضہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس عبارت میں مفعول (نفسا) مقدم ہو گیا ہے اور اس کی صفت نہایت طویل جملے پر مشتمل ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ فاعل (ایمانھا) کو مفعول کے فوراً بعد رکھ دیا جائے تاکہ وہ اپنے فعل سے غیر ضروری طور پر بعید نہ ہو جائے۔ یہ ایک الگ اسلوب بیان ہے۔

اسی طرح بعض اوقات عبارت کسی کلام کی تضمین کے طور پر آجاتی ہے۔ یہ بھی شکلاً جملہ معترضہ کی طرح ہوتی ہے مگر یہ ایک الگ اسلوب ہے۔ جس کی وضاحت ہم آگے کریں گے۔

خالد مسعود

قرآن کا تصورِ جنگ

جنگ کے بارے میں ایک تصور تو چنگیز خان کا تھا جو دشمنوں کو شکست دے کر' ان کا تعاقب کر کے' ان کی املاک لوٹ کر ان کے خاندانوں کی آہ و بکا سے محظوظ ہوتا تھا۔ لیکن جنگ کو اسی نے ایک ہلکی چیز نہیں سمجھا بلکہ رومی معاشرہ بھی جنگ کے مفید ہونے کا قائل تھا۔ فلاسفہ میں سے حابس' ما تھس' کانٹ اور ہیگل جنگ کے ناگزیر ہونے کے قائل ہیں اور اس کو معاشرہ کی مضبوطی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں۔

جنگ کو بعض مذاہب مثلاً بدھ مت' کنفیوشزم اور عیسائیت نے نامطلوب اور دین داری کے منافی رویہ قرار دیا ہے۔ سقراط کے نزدیک بھی جنگ کے اسباب وہی ہوتے ہیں جو ہر شر محض کے ہوتے ہیں۔ آگسٹائن اس کو انسان کی ابدی گنہگاری کا نتیجہ قرار دیتا ہے۔

آج کے دور میں جنگ کو قومی پالیسی کے ایک آلہ کار کی حیثیت دی جاتی ہے۔ امریکہ دنیا کے تمام ممالک میں جمہوریت کی نشو و نما کو یقینی بنانے کے لئے جنگ پر اپنی آمادگی کا اظہار برملا کرتا ہے۔ ملکی معاشی مفادات کا تحفظ اور حریف قوتوں پر دباؤ ڈال کر اپنی مرضی کے فیصلے کروانا جنگ کو جواز مہیا کرنے کے لئے جس طرح کافی خیال کیا جاتا ہے اس کا اظہار حالیہ خلیج کی جنگ سے بخوبی ہو چکا ہے۔

قرآن مجید نہ تو جنگی جنون کو پسند کرتا ہے اور نہ جنگ کو ایک بالکل ناروا چیز سمجھتا ہے۔ وہ جنگ کے جواز کے لئے معاشی و سیاسی اسباب کو بھی غلط قرار دیتا ہے۔ اسلامی دعوت کے ابتدائی تیرہ چودہ برسوں میں مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے کی اجازت نہیں دی گئی اور جنگ کی تیاری کا حکم اس وقت دیا گیا جب مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ پیدا ہو گیا اور کفار ان کا قلع قمع کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس سے اسلام کا مزاج یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جنگ کو ہلکی چیز نہیں سمجھتا اور چاہتا ہے کہ ہتھیار اسی وقت اٹھائے جائیں جب ان کا اٹھانا ناگزیر ہو جائے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن انفرادی قتل کو تو گناہ کبیرہ قرار دیتا ہے 'وہ جنگ کی اجازت کیسے دے دیتا ہے جبکہ اس میں ہزاروں جانیں تلف ہونے کا امکان موجود ہوتا ہے۔ اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں دوسرے مماثل امور پر غور کرنا چاہئے۔ ہم اپنی غذا کے لئے جانوروں کا گوشت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اگر ہم ان کی جان لے کر اپنی ضرورت پوری کرلیں تو قرآن کے نزدیک ہم ایک حرام غذا کھانے والے ہوتے ہیں۔ اس کو جواز صرف اس صورت میں حاصل ہوتا ہے جب ہم جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کرکے اپنے مصرف میں لائیں۔ گویا حرمت کا یہ قفل اللہ کے نام سے کھلتا ہے اور وہی اس فعل کو جواز مہیا کرتا ہے۔

ایک شخص کا دوسرے شخص کو بلاوجہ قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے لیکن انسانی جان لی جاسکتی ہے جبکہ ایسا کرنا بالحق ہو۔ بالحق کا سادہ مفہوم ہے اللہ کے عطا کردہ حق کے تحت۔ مثلاً مقتول کے قصاص میں قاتل کا قتل یا معاشرہ کے خلاف سنگین جرائم کا ارتکاب کرنے والوں کا قتل بالحق ہوتا ہے۔ ایسا قتل ایک صحت مند معاشرہ کے قیام کے لئے نہ صرف یہ کہ ضروری ہے بلکہ اس میں کوتاہی کرنا بجائے خود ایک جرم ہے۔ یہاں بھی حرمت جان کا قفل اللہ کے عطا کردہ حق کے ذریعہ سے کھولا گیا اور اس کے اسباب خود ان لوگوں نے پیدا کئے جنہوں نے پہلے جرم کا ارتکاب کیا۔

ٹھیک اسی طرح بعض قوموں کے اجتماعی رویے اس بات کے اسباب فراہم کرتے ہیں کہ منظم جنگ کے ذریعے ان کو درست رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اس صورت میں قرآن فی سبیل اللہ کی قید لگاتا اور جنگ کو جواز عطا فرماتا ہے۔ یہ جنگ ایک اعلیٰ دینی مطالبہ قرار پاتی ہے جس سے پہلو تہی کو منافقانہ روش کا نام دیا گیا ہے۔ فی سبیل اللہ جنگ کی شکلیں کیا کیا ہیں۔ یہ ہم آگے بتائیں گے۔

قرآن میں جب پہلے پہل جنگ کا حکم نازل ہوا تو اس پر بعض درویش صفت لوگوں نے یہ سوال اٹھایا کہ ایک نبی کو جنگ سے کیا غرض۔ اسے تو صلح جو اور کشت و خون سے اجتناب کرنے والا ہونا چاہئے۔ اس کا جواب سورہ الحج کی آیت ۴۰ میں یوں دیا گیا کہ اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے دفع نہ کرتا رہتا تو تمام خانقاہیں گرجے' کنیسے اور مسجدیں جن میں کثرت سے اللہ کا نام لیا جاتا ہے 'ڈھائے جاچکے ہوتے اور بے شک اللہ ان لوگوں کی مدد فرمائے گا جو اس کی مدد کے لئے اٹھیں گے۔

اس جواب کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ اگر خدا کے صالح بندوں کو ہتھیار اٹھانے سے روک دیا جاتا تو دنیا میں صرف اشرار اور مفسدین ہی پنپ سکتے اور دین کے تمام مظاہر ناپید ہوجاتے۔ اس طرح دنیا نیکی اور تقدس کے آثار سے خالی ہوکر شر و فساد سے بھر جاتی۔ دوسرا یہ کہ جنگ کا حکم اہل ایمان کے اندر دین کی حمایت و نصرت کے جذبہ کے امتحان کے لئے ہے۔ وہ جب حق و عدل کے قیام کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادیں گے تو اللہ ان کی پشت پر ہوگا۔

قرآن کے تصور جنگ کے متعلق یہ غلط فہمی عام ہے کہ یہ جنگ صرف دفاعی ہے۔ اس غلط فہمی کی بڑی وجہ تو یہ ہے کہ یہ تصور پھیلا کر امت مسلمہ کے اندر حرکت و نمو کی خواہش کو ختم کیا جاسکتا ہے اور اس سے دشمنان دین کے مذموم مقاصد پورے ہوتے ہیں۔ لیکن بعض لوگ سورہ بقرہ کی آیت ۱۹۰ سے بھی دلیل اخذ کرتے ہیں جو یوں ہے۔

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا

(اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تمہارے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو)

حقیقت یہ ہے کہ جب تک مسلمان کمزور تھے تو ان کی خواہش کے باوجود ان کو جنگ سے روک دیا گیا تھا۔ ہجرت کے بعد کفار اسلام کے استیصال کے لئے سرگرم عمل ہوگئے تو مذکورہ آیت میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دی گئی۔ اس پس منظر میں یہ ایک ابتدائی حکم تھا۔ چند ہی سالوں میں مسلمانوں کی قوت میں اضافہ ہوگیا تو ان کے فرائض منصبی میں توسیع کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے لئے جنگی احکام میں بھی اضافہ ہوا اور قرآن نے فی سبیل اللہ جنگ کی کئی شکلیں خود واضح کردیں۔ ان میں جنگ محض دفاعی نوعیت کی نہ تھی بلکہ مسلمانوں کو اقدام کا حکم دیا گیا۔ ذیل میں ہم ان شکلوں پر روشنی ڈالتے ہیں۔

جنگ کے جواز کے اسباب

امت مسلمہ کی منصبی ذمہ داری یہ ہے کہ یہ امت اللہ کے اتارے ہوئے حق کی شہادت دینے 'اس کے مطابق معروف کا چرچا کرنے 'برائی کو روکنے اور اس حق کا پیغام اکناف عالم تک پہنچانے کی جدوجہد کرنے پر مامور ہے۔ یہ منصبی ذمہ داری خود انسانیت کی فلاح کے لئے ضروری ہے ورنہ دنیا میں شر و فساد پھیل جاتا ہے۔ امت مسلمہ جب اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کوشاں ہو ــــــ اور اسے ایسا ہونا چاہئے ــــــ تو لازماً اس کا ٹکراؤ ایسے افراد اور اقوام سے ہوگا جو اللہ کے اتارے ہوئے حق کے باغی ہوں۔ اگر یہ لوگ اس حق کی شہادت اور دین کے نفاذ کی جدوجہد میں مزاحم نہ ہوں تب تو یہ جدوجہد پرامن طریقہ سے جاری رہ سکتی ہے اور دین اسلام اسی طریقہ کو پسند کرتا ہے۔ لیکن جب کچھ لوگ اس دعوی کو اپنے لئے ایک چیلنج سمجھ کر اس کی مخالفت پر اٹھ کھڑے ہوں تو اس صورت میں ان کی مزاحمت حقیقت میں اللہ کو روکنے کی کوشش کے مترادف ہوگی جو کائنات کا حقیقی بادشاہ ہے۔ یہ بغاوت اس بات کا جواز فراہم کرے گی کہ امت مسلمہ اپنے فرائض منصبی میں حائل ہونے والی طاقت سے ٹکر لے لے اور اس کی مزاحمت کو ختم کردے۔ ایسے حالات ہی میں قرآن مجید مسلمانوں کو ہتھیار اٹھا لینے کی اجازت دیتا ہے۔

چونکہ امت مسلمہ کا یہ فریضہ منصبی رہتی دنیا تک کے لئے ہے اور حق کے مخالفین بھی اس وقت تک

پیدا ہوتے رہیں گے جب تک انسان پیدا ہوتے رہیں گے اس لئے نہ تو جہاد کبھی ختم ہو سکتا اور نہ اس کی کامل شکل قتال فی سبیل اللہ کے خاتمہ کا فتویٰ کبھی دیا جا سکتا ہے۔

اللہ کے دین کی راہ روکنے کا معروف طریقہ جو باطل قوتوں نے ہمیشہ اختیار کیا ہے وہ حق کا پیغام قبول کرنے والوں کو جبر و ظلم سے ان کے پسندیدہ دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش ہے۔ اس کے لئے وہ اہل ایمان کو سنگ دلانہ ایذائیں دیتے اور تکلیفیں پہنچاتے ہیں۔ قرآن نے اس کے لئے فتنہ کا لفظ استعمال کیا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے مخالفین کی مناسبت سے یوں فرمایا ہے کہ۔

وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ (البقرہ ۱۹۳)

"اور ان سے جنگ کرو یہاں تک فتنہ باقی نہ رہ جائے اور دین اللہ کا ہو جائے"۔

یعنی مشرکین عرب سے اس وقت تک جنگ جاری رکھی جائے جب تک اہل اسلام کو ان پر کامل فتح حاصل نہیں ہو جاتی اور عرب میں صرف اسلام ہی کا بول بالا نہیں ہو جاتا۔

فتنہ سے مراد' جیسا کہ اوپر واضح کیا گیا' اسلام قبول کرنے والوں کو زچ کرنا' اذیتیں دینا اور ان کو ایمان کی راہ ترک کرنے پر مجبور کرنا ہے۔ جب تک کفار مسلمانوں کے معاملے میں اس پالیسی پر کاربند رہیں گے' ان کے ساتھ جنگ ناگزیر ہو گی اور اس وقت تک جاری رہے گی جب تک وہ اس پالیسی کو ترک نہیں کر دیتے۔ قران کی رو سے فتنہ کا گناہ قتل سے بڑا ہے اور یہ قتال فی سبیل اللہ کا جواز فراہم کرنے کے لئے کافی ہے۔ موجودہ زمانہ میں انسانی حقوق کو تحفظ دینے کا بہت پرچار کیا جاتا ہے۔ اس کے باوجود بڑے اور چھوٹے بیسیوں ممالک ایسے ہیں جن میں روشن خیالی کے دعوؤں کے باوجود دین اسلام کو اختیار کرنے' مسلمانوں کے سے نام رکھنے' دین کے شعار پر عمل کرنے اور تبلیغ کرنے پر پابندی لگائی جاتی ہے اور اس کی خلاف ورزی کرنے والوں پر تشدد کیا جاتا ہے۔ یہ فتنہ آج بھی جنگ کا جواز فراہم کر رہا ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت ۲۰۷ میں اس فتنہ کی تفصیل کرتے ہوئے یہ واضح کیا ہے کہ اللہ کے دین کی طرف آنے میں لوگوں کے لئے رکاوٹیں کھڑی کرنا اور کفر کا علم بردار بن کر اٹھ کھڑے ہونا' مسلمانوں کے لئے مسجد حرام میں حاضری کی راہ مسدود کرنا اور ایمان لانے کے جرم میں ان کو گھروں سے نکال باہر کرنا وہ جرائم ہیں جو فتنہ کی تعریف میں آتے ہیں۔

اس فتنہ ہی کی ایک شکل ان مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کرنا ہے جو کفار کے علاقوں میں اقلیت میں ہوں اور اکثریتی آبادی دین کی بنیاد پر ان پر تشدد کرتی ہو۔ قرآن مجید نے ایسے مسلمانوں کی نصرت پر ان مسلمانوں کو بطور خاص ابھارا ہے جو دارالاسلام میں بستے ہوں۔ فرمایا۔

ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا۔ (النساء ۷۵)

"اور تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کے لئے جنگ نہیں کرتے جو دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہمیں اس ظالم باشندوں کی بستی سے نکال"۔

اس آیت کے نزول کے زمانہ میں مکہ اور دوسری بستیوں میں بہت سے مرد' عورتیں اور بچے مسلمان ہو چکے تھے اور وہ اپنے کافر سرپرستوں یا قبیلے کے دوسرے زبردستوں کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے۔ وہ رات دن بے قراری کے ساتھ یہ دعا کرتے تھے کہ اے پروردگار ہمیں ان ظالم باشندوں کی بستی سے نکال' غیب سے ہمارے ہمدرد پیدا کر اور اپنی جناب سے ہمارے لئے مددگار کھڑے کر۔ آیت میں مسلمانوں کو یہ بتایا ہے کہ مسلمان اگر کہیں اس طرح کی مظلومیت کی حالت میں گھر جائیں تو ان تمام مسلمانوں پر جو ان کی مدد کرنے کی پوزیشن میں ہوں جہاد فرض ہو جاتا ہے اور اگر وہ ان کی مدد کے لئے نہ اٹھیں تو یہ صریح نفاق ہے۔

اسلام ایک صلح جو دین ہے اور دوسرے مذاہب کے ساتھ امن کے ساتھ رہنے کے لئے متحارب فریق کے ساتھ معاہدہ امن کرنے کی اجازت دیتا ہے۔ چنانچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کے ساتھ دس سال کے لئے امن کا وہ معاہدہ کرنے میں بھی کوئی پس و پیش نہ کی جو معاہدہ حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس طرح کے معاہدہ امن کو اگر فریق مخالف توڑ دے یا اس کی آڑ میں مسلمانوں کے دین کو زک پہنچانے کی کوشش کرے تو حکم ہے کہ مسلمان اس کے ساتھ برسرپیکار ہو کر اپنے دین کا تحفظ کریں۔ قریش نے جب معاہدہ حدیبیہ کو توڑنے میں پہل کی تو یوں ہدایت فرمائی گئی۔

ان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم وطعنوا فی دینکم فقاتلوا ائمۃ الکفر انھم لا ایمان لھم لعلھم ینتھون (توبہ ۱۲)

"اگر عہد کر چکنے کے بعد یہ اپنے قول و قرار توڑ دیں اور تمہارے دین پر نیش زنی کریں تو تم کفر کے ان سرغنوں سے بھی لڑو۔ ان کے کسی قول و قرار کا کوئی وزن نہیں' تاکہ یہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں"۔

معاہدہ کی خلاف ورزی کی صورت میں مخالف فریق کے ساتھ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک وہ اپنا رویہ تبدیل نہیں کرتے اور اسلام دشمن کارروائیوں سے باز نہیں آتے۔

اسلام دشمن رویے کا مظاہرہ اہل کتاب کی جانب سے ہو تو قرآن ان کے ساتھ بھی جنگ کا حکم دیتا ہے۔ ان کے رویہ کی تبدیلی کی علامت یہ بتائی گئی ہے کہ وہ اسلامی حکومت کی ماتحتی میں آ جائیں اور اس کی علامت کے طور پر جزیہ دینا قبول کر لیں۔ فرمایا

قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ ولا یدینون دین الحق من الذین اوتوا الکتب حتی یعطوا الجزیۃ عن ید وھم صغرون (توبہ ۲۹)

"ان اہل کتاب سے جو نہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے' نہ اللہ اور اس کے رسول کے حرام

ٹھرائے ہوئے کو حرام ٹھراتے اور نہ دینِ حق کی پیروی کرتے، جنگ کرو تا آنکہ وہ مغلوب ہو کر جزیہ ادا کریں اور ماتحت بن کر زندگی بسر کرنے پر راضی ہوں"۔

جہاں تک کسی قوم کی تعدی کے خلاف مزاحمت یا اپنے دفاع کے لئے جنگ لڑنے کا تعلق ہے تو ایسا کرنا قرآن مجید کے تصورِ عدل کے مطابق ہے۔ اس کی رو سے جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا کا قانون اس بات کا جواز فراہم کرتا ہے کہ کسی بھی ظلم کا مساوی بدلہ دیا جائے۔

مذکورہ شکلوں کے علاوہ قرآن نے دو ایسے اسباب بھی بیان کئے ہیں جو داخلی نوعیت کے ہیں اور فوج کشی کا جواز پیدا کرتے ہیں۔ ان میں پہلا سبب اسلامی ریاست کے اندر ان باغیوں کی کارروائیاں ہیں جو اللہ اور رسول کے قانونِ عدل و قسط کو درہم برہم کرنے اور ملک میں فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ کوشش علانیہ بھی ہو سکتی ہے اور در پردہ بھی۔ یہ جتھہ بندی کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے اور تخریب کاری کے انداز میں بھی۔ جو مفسدانہ سرگرمی بھی ملک کے سیاسی، اجتماعی اور معاشرتی نظام کے لئے خطرہ بن جائے اس کے استیصال اور اسکے مجرموں کی سرکوبی کے لئے اسلامی حکومت ضرورت پڑنے پر فوج کشی کر سکتی ہے تاکہ قیام امن کا جو فریضہ اس پر عائد ہے اس سے عہدہ برا ہو سکے۔ فرمایا۔

انما جزاء الذین یحاربون اللہ و رسولہ و یسعون فی الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم و ارجلھم من خلاف او ینفوا من الارض (المائدہ ۳۳)

"ان لوگوں کی سزا جو اللہ اور اس کے رسول سے بغاوت کرتے ہیں اور ملک میں فساد برپا کرنے میں سرگرم ہیں، بس یہ ہے کہ عبرت ناک طور پر قتل کیے جائیں یا سولی پر لٹکائے جائیں یا ان کے ہاتھ اور پاؤں بے ترتیب کاٹ ڈالے جائیں یا ملک سے باہر نکال دیئے جائیں"۔

فوج کشی کا دوسرا داخلی اسباب اسلامی مملکت کے اندر مسلمانوں کے کسی متحارب گروہ کا مصالحت کی کوششوں کو ناکام بنانا اور حالت جنگ پر اصرار کرنا ہے۔ مسلمان کے درمیان ایسی کوئی چپقلش قابل برداشت نہیں سمجھی گئی جس میں وہ آپس کی مخالفت کو قائم رکھنے پر مصر ہوں۔ حکومت ان کے درمیان مصالحت کرائے گی۔ پھر بھی ایک گروہ اگر اپنے مخالفوں پر چڑھائی کر دے تو اس صورت میں اسلامی حکومت باغی گروہ کے خلاف فوج کشی کر سکتی ہے۔

اس تفصیل سے جو اصول بر آمد ہوئے ان کی رو سے جنگ کا جواز قومی انا کی تسکین، کشور کشائی، معاشی وسائل میں اضافہ یا طبقاتی کشمکش سے فراہم نہیں ہوتا جیسا کہ آج کے مفکرین حرب کا دعویٰ ہے۔ قرآن ہمیں جو تعلیم دیتا ہے اس کی رو سے جنگ کا جواز موجود ہونے کے لئے اس کے فی سبیل اللہ ہونے کی شرط ضروری ہے۔ اللہ کی ہدایت کا اکنافِ عالم تک پہنچنا خود انسانیت کی فلاح کے لئے مطلوب ہے۔ جب کوئی قوم اس

باقی صفحہ ۲۳ پر

تالیفاتِ امام حمید الدین فراہیؒ

	روپے پیسے
۱۔ مجموعہ تفاسیر فراہی	۰۰ -- ۰۰
۲۔ اقسام القرآن	۸ -- ۰۰
۳۔ ذبیح کون ہے	۸ -- ۰۰

تالیفاتِ مولانا امین احسن اصلاحی

۱۔ تدبرِ قرآن : (مکمل سیٹ : ۹ جلد)	۱۳۹۵ -- ۰۰
: فی جلد	۱۵۵ -- ۰۰
۲۔ مبادئ تدبرِ قرآن	۳۶ -- ۰۰
۳۔ اسلامی قانون کی تدوین	۰۰ -- ۰۰
۴۔ اسلامی ریاست	۰۰ -- ۰۰
۵۔ اسلامی ریاست میں فقہی اختلافات کا حل	۱۶ -- ۰۰
۶۔ قرآن میں پردے کے احکام	۴ -- ۰۰
۷۔ تنقیدات	۱۸ -- ۰۰
۸۔ توضیحات	۲۱ -- ۰۰
۹۔ تزکیۂ نفس : جلد اول	۵۰ -- ۰۰
: جلد دوم	۳۶ -- ۰۰
۱۰۔ مبادئ تدبرِ حدیث	۳۶ -- ۰۰
۱۱۔ دعوتِ دین اور اس کا طریقِ کار	۴۸ -- ۰۰
۱۲۔ اسلامی معاشرہ میں عورت کا مقام	۴۸ -- ۰۰
۱۳۔ حقیقتِ شرک و توحید	۵۶ -- ۰۰
۱۴۔ حقیقتِ نماز	۲۴ -- ۰۰
۱۵۔ حقیقتِ تقویٰ	۲۴ -- ۰۰

فاران فاؤنڈیشن

۱۲۲۔ فیروز پور روڈ، اچھرہ، لاہور -- ۵۴۶۰۰ - پاکستان ۔ فون: ۷۷۴۳۴۷۷